64

انتظار اور سہی

سلیم ساغر



انتظار اور سہی

برادرم طارق کابلی صاحب کی خدمت میں
بصد خلوص واحترام



سلیم ساغر
۸ جولائی ۲۰۰۹ء

- نام کتاب : انتظار اور سہی
- نوعیت : شعری مجموعہ
- مصنف : سلیم ساغر
- بار اول : ۲۰۰۵ء
- قیمت : تین سو روپے
- کمپیوٹر کتابت : ساغر کمپیوٹرس سری نگر کشمیر
- مطبع :

ملنے کا پتہ

- ٹل باغ، پانپور 192121 (کشمیر)
- کتاب گھر، امیرا کدل سرینگر
- میزان پبلشرز۔ بٹہ مالو سرینگر کشمیر
- سکندر نیوز ایجنسی، نزد گوردوارہ، لال چوک سرینگر 190001 (کشمیر)
- ریاض نیوز ایجنسی کدلہ بل پانپور

انتساب

اپنے اساتذہ

محترمہ ڈاکٹر گلشن اختر صاحبہ

محترم ڈاکٹر عبدالرشید خان صاحب

اور

محترم ڈاکٹر بشر بشیر صاحب

کے نام

خلوصِ نیت اور عقیدت کے ساتھ

تعارف

قلمی نام	:	سلیم ساغر
اصلی نام	:	سمیع اللہ
ولدیت	:	غلام محمد بٹ
تعلیم	:	ایم۔اے اُردو۔ڈبل نیٹ
وابستگی	:	درس وتدریس
ادبی انعام	:	طاہرہ زہرا انعام ۲۰۰۱ء بہ اشتراکِ سید جعفر امیر رضوی ٹیکساس امریکہ اور جموں وکشمیر کلچرل اکادمی سری نگر۔
زیرِ ترتیب تصانیف	:	غزلیات، منظومات اور رباعیات کا مجموعہ
اشاعتِ کلام	:	ریاستی اور ملکی سطح کے مختلف اخبارات اور رسائل میں
پتہ	:	ٹل باغ پانپور کشمیر ۱۹۲۱۲۱

حرفِ چند

سلیم ساغرؔ کا شمار ریاستِ جموں و کشمیر کی نئی نسل کے ان شاعروں کی صف میں شامل ہے جو گزشتہ ڈیڑھ دہائی کے دوران اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر شعری افق پر نمودار ہوئے ہیں۔ ایسے معاشرے میں ادب کی پُر خطر راہ گزار کے لئے رختِ سفر باندھنا واقعئی بڑی عالی ہمتی کا کام ہے جہاں حالات نے شعر و سخن کی محفلوں کو بڑی مدت تک معطل کر رکھا ہو۔ سلیم ساغرؔ جس نسل سے وابستہ ہے۔ وہ خود ہی راہ رو بھی ہے اور اپنی راہبر بھی۔ کسی کی مرہونِ منت ہوئے بغیر اس نسل نے اپنے شعور کی روشنی میں اپنے فکری اور تخلیقی امکانات کو تلاشنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔

سلیم ساغرؔ کی شعری کاوشیں اس کے فکری رجحانات کی عکاسی کرتی ہیں اور اس کی تخلیقی صلاحیتوں کے امکانات کے خدوخال بھی ابھارتی ہیں۔ اس کی شاعری میں احساسات کی ایک ایسی کہکشاں سجی ہوئی ہے جو قدم بہ قدم اپنی جانب متوجہ کرتی ہے اور قاری کے دل کو پڑھتے وقت اپنی گرفت میں لے کر سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ سلیم جذباتیت کا نہیں بلکہ سچائیوں کا شاعر ہے۔ اس کی

شاعری محرومی کے کرب کی سچائی کو پیش کرتی ہے۔ وہ رومان کی خیالی دنیا کی بھول بھلیوں میں کھو جانے کی کوشش نہیں کرتا ہے اور اس کے خیال دل کی وسعتوں اور روح کی گہرائیوں سے ابھر کر فطری انداز میں شعری جامہ پہنتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ افکار میں کسی قدر مایوسی تو نظر آتی ہے مگر یہ نا اُمیدی کی سرحد میں داخل نہیں ہو جاتی۔ محبت، شفقت اور ہمدردی کے برعکس محرومی کے مراحل بڑے اذیت ناک ہوتے ہیں اور یہ اذیت ناک احساسِ محرومی اس کی شاعری میں جا بجا پایا جاتا ہے۔ کہیں کہیں ایسی فضا پیدا ہو جاتی ہے جہاں یہ گماں گزرتا ہے کہ یہ شاعر حصارِ ذات کا قیدی بن کر رہ گیا ہے لیکن اس کے فن میں مرحلہ وار پیدا ہوتی ہوئی پختگی پر غور کرتے ہیں تو یقین ہونے لگتا ہے کہ اس نے الم نصیبی کے آگے خود سپردگی نہیں کی ہے بلکہ جہدِ پیہم کو ترجیح دی ہے۔ سلیم ساغؔر کے اِس انتخاب میں ایسے اشعار کی کوئی کمی نہیں ہے جو اُس کے انفرادی اسلوب کے غماز ہو کر آنے والے کل کے ایک پختہ ذہن شاعر کا تصوّر اُبھارتے ہیں اور جنہیں پڑھ کر زبان سے بے ساختہ واہ نکلتی ہے ؂

اس طرح میری دعا بھی گم خلا میں ہوگئی
جیسے کوئی خط کہیں ترسیل میں گم ہوگیا

شب سُناتا ہی رہا میں داستاں در داستاں
بے سروسامانیاں دن میں نمایاں ہوگئیں

ایک زمانے سے دیکھا ہے دل کا موسم ایک رہا
آج ہنسی سی آجاتی ہے موسم کے عنوانوں پر

جو گل بکف ہیں انہیں کے غبار چہرے ہیں
دیارِ دل میں نصیبوں کا معاملہ ہے عجیب

ہر ایک جیسے ہے دشمن ہر ایک کی جاں کا
ہر ایک شخص یوں سہما دکھائی دیتا ہے

بہ سنگِ حرفِ محبت شکستہ دل ہو کر
بنامِ عشق شکارِ جفا بھی ہونا ہے

تم بھی کیا پاؤ گے دیکھیں گے جفائیں کر کے
ہم نے تو اپنی وفاؤں کی سزا پائی ہے

حصارِ ذات سے نکل کر اگر سلیم ساغرؔ حیات و کائینات کے گوناگوں موضوعات کے رنگوں سے اپنا شعری کینوس سجائے تو مستقبل قریب میں اس سے بڑی اُمیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

ڈاکٹر بشرؔ بشیر
گورنمنٹ وومنز کالج
اسلام آباد کشمیر

پیش گفتار

شاعری چونکہ ایک ذوقی اور وجدانی شئے کا نام ہے، اس لئے اس کی طرف میلانِ طبیعت ہونا ایک فطری امر ہے۔ ہر شخص الفاظ کی موزوینت، مفاہیم کی مطابقت اور کیفیت کی ہو بہو پیش کش سے محظوظ ہوتا ہے۔ ہوش سنبھالنے کے بعد کب اور کس لمحہ میری طبیعت کے اندر شعر و ادب کی جاذبیت کا احساس سرائیت کر گیا، اس کا ادراک کرنا میرے لئے ناممکن امر ہے مگر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ شعر و ادب سے اپنی بڑھتی ہوئی دل چسپی کو میں ضرور محسوس کرتا رہا ہوں۔ میں شاعری کے بحرِ بے کراں میں مُدتوں مُستغرق رہ کر تخیّل کی بھول بھلیوں میں سر گرداں رہا اور پھر وہ مرحلہ بھی آ گیا، جب وقت کی چلچلاتی دھوپ نے میرے شبنم سراپا وجود پر کچھ نئے اسرار و رموز کا انکشاف کیا اور شعلۂ الہام نے مجھے جھلسا کر تخلیقیت کے کرب سے دوچار کر دیا۔

ذوقی شئے کا وجدانی عمل بننا اور پھر تجربے میں ڈھل کر تخلیقیت کے امکانات روشن کرنے کے لئے راہیں استوار کرنا ایک دل چسپ مگر اذیت ناک سلسلہ ہوتا ہے یہ میرے برسوں کے تجربات کا خلاصہ ہے۔

اپنے ذوقِ شعر کی آبیاری کرنے اور اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشنے

کیلئے میں نے برسوں خلوت نشینی اختیار کی اور کتب ہائے ادب سے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ فنِ شعر میں کبھی کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کی وجہ سے مجھے کسی کا ممنونِ کرم نہیں ہونا پڑا ہے۔

انتظار میری زندگی کا استعارہ ہے۔ کتابِ زندگی کے جتنے اوراق گزرتے وقت نے ابھی تک پلٹے ہیں ان کا سرنامہ انتظار تھا۔ کبھی کبھی تو یہ لفظ کسی غم خوار کا دلا سا بن کر راحت کا باعث بنتا رہا مگر بیشتر اوقات ایسی صلیب ثابت ہوتا رہا جس پر بچپن سے جوانی تک کے سنہرے خواب اور معطر تمنائیں لٹک کر بالآخر دم توڑتی رہی ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ ماضی کی کرب ناکی کو بھلا دینے اور حال کی ابتری کا مداوا تلاش کرنے کے لئے جس شئے کی ضرورت محسوس ہوئی وہ بھی انتظار ہی ہے۔

آج برسوں کی تاخیر سے اسی انتظار کے خوش گوار اور ناخوش گوار لمحات کے مختلف رنگوں کی آنکھ مچولی کے مناظر سے سجے اپنے پہلے مجموعۂ کلام ''انتظار اور سہی'' کو اربابِ فکر ونظر کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اپنے دوستوں پرویز مانوسؔ، محمد سلیم سالکؔ اور رؤف راحتؔ کے ساتھ ساتھ جموں و کشمیر کے بلند پایہ افسانہ نگار جناب نور شاہ صاحب کا بے حد احسان مند ہوں جن کی کوششوں اور مفید مشوروں سے اس مجموعے کی اشاعت کے مراحل آسانی سے طے ہوئے۔

سلیم ساغرؔ

ٹُل باغ پانپور کشمیر

ترتیب

نمبر شمار	مصرعہ	صفحہ نمبر
1	رات گئے کل آنکھیں بھیگیں اپنے ہی افسانوں پر	1
2	وہ نامِ الفت پہ میری آنکھوں کو نم کرے گا مجھے خبر ہے	3
3	بارے اُن کی رنجشیں بھی ایک احساں ہو گئیں	5
4	گُم شدہ صدیاں مقید زلف کی زنجیر میں	7
5	وہ بہاروں میں مجھے اِک جلتا پیکر دے گیا	9
6	ریت کے سمندر میں، پھول بھی کھلائیں گے	10
7	مہکتا جاتا ہے پیکر، مرے قریب رہو	12
8	میں حادثوں کو کہاں تک آخر گلاب رُت کو نگلتے دیکھوں	13
9	لفظ و معنی کیا ہیں وہ صوت و صدا لے جائے گا	15
10	مرے وجود میں مجھ سے وہ ہم کلام رہا	17
11	شام کا منظر کہوں کیا کتنا خوں آشام ہے	18
12	کتابِ زیست کا روشن وہ اقتباس لگے	20
13	جانے کیا بات ہے ایسی میرے ہرجائی میں	21
14	ملا جو غم وہ ملا اپنی ذات سے مجھ کو	22
15	یہ ابتدا ہے انوکھی یہ انتہا ہے عجیب	24
16	دل کی بیماری کی ہم نے وہ دوا پائی ہے	25
17	بادلوں کے جب وسیلے ہو گئے	26
18	مدعا تو لفظ کی تفصیل میں گم ہو گیا	28

19	جبیں کی لوح پہ کوئی لکیر ایسی تھی	29
20	محبت کو شرارِ ذات کرلیں	30
21	اب جفاؤں کی کسی سے کیا شکایت کرنا	32
22	ہر شام ڈھلے مہکا مہکا یادوں کا یہ جنگل ہوتا ہے	33
23	میں نے آوارہ خوشبو کی اک بھیڑ میں آج دیکھا ہے اسکا وہ مہکا بدن	35
24	کہاں لے کے آ گیا ہے مجھے شوق خوشبوؤں کا	38
25	نظروں میں عمرِ رفتہ کی روشن کتاب ہے	39
26	لے کے پہلا سا وہ اندازِ نظر شام کے بعد	40
27	دل کو اپنے بے نیازِ لاؤ لشکر کردیا	42
28	ہم محبتوں والے رات دن مچلتے ہیں	43
29	دل کا اس طرح تری راہ گزر میں رہنا	44
30	زمیں تا آسماں ہنگامہ سا ہے	45
31	غرورِ ذات کا سارا نشہ ہے خطرے میں	46
32	رات بھر کروٹیں یہ بدلتا رہا عکس کی ہی تمازت میں جلتا بدن	47
33	ہر سُو شعلہ زار لکھیں کیا؟	49
34	بحرِ ہستی کا یہ سیلاب نہیں دیکھا تھا	50
35	دشت کی راہ نہ لی مانی نہ سودائی کی	51
36	میں اپنے نام کا اختر تلاش کرتا ہوں	52
37	خانۂ دل میں ترے نغمہ سرا اور سہی	54
38	ہر درد نیا دل کا، ہر زخم پرانا ہے	56
39	اترا ہے دل میں یاد کا خنجر تمام رات	57
40	میرے احساس کا کیا رنگ مری ذات میں ہے	59
41	اُس کی اُلفت کا یہ دل اب بھی تمنائی ہے	60

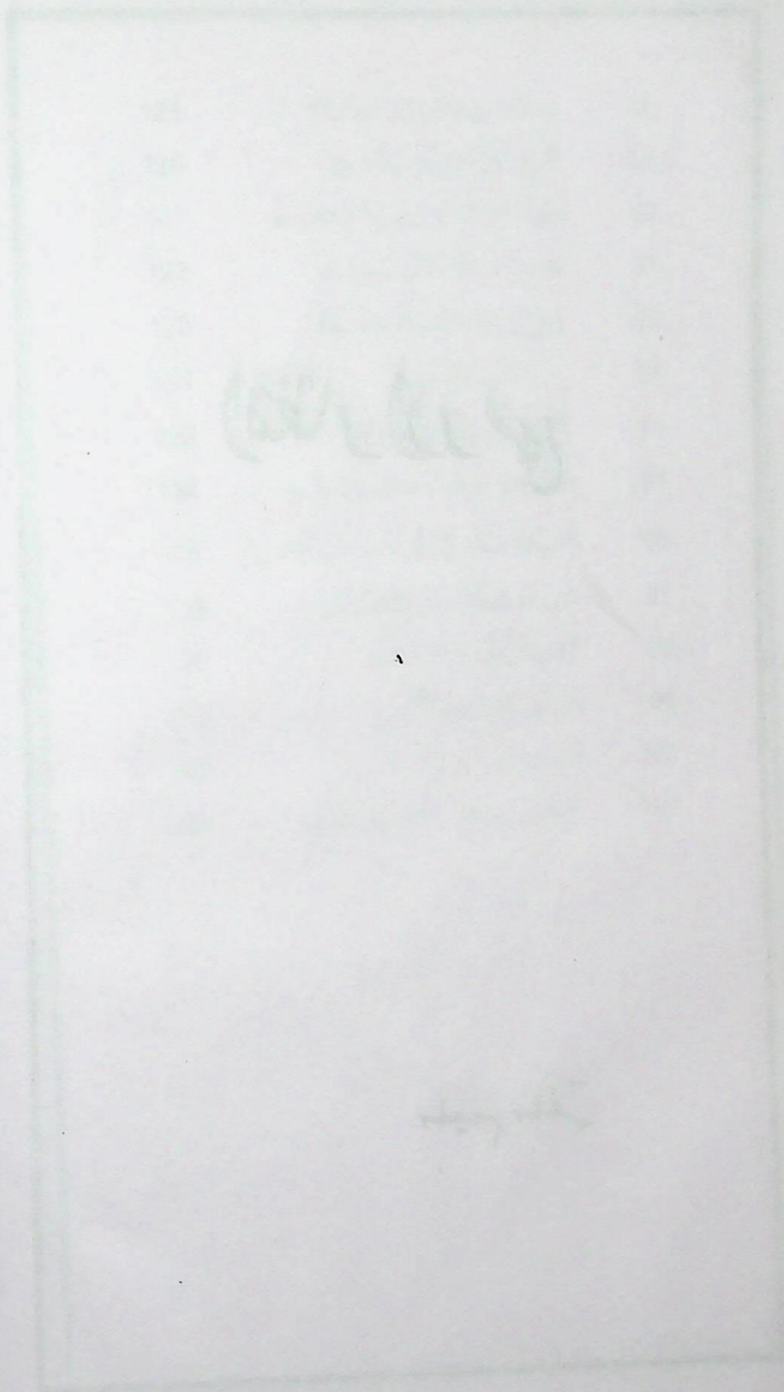
42	ہر درد کیا اُس نے مرے نام سے منسوب	61
43	مہتاب سا وہ چہرہ دل میں اتر رہا ہے	63
44	تاب کس کو میری جلتی ہوئی دنیا دیکھے	64
45	خودی کا احترام ہے سوال کر نہ پاؤ گے	65
46	ان کا اثبات ونفی خوب ہے تاکید کے ساتھ	66
47	بزمِ امکاں پہ تصوّر کی نظر ہو جائے	68
48	منظر میں عمر بھر کی سمائی ہوئی ہے آگ	69
49	یہ سطحِ آب پہ ابھرے ہیں دائرے پھر سے	70
50	چاند دیکھوں نہ کہیں پھول ہی کھلتا دیکھوں	72
51	ہے کربِ ذات کی دنیا بھی لفظیات میں گم	73
52	قرطاسِ دل پہ ہوں نہ تحتِ شعور ہوں	74
53	دل کا آئینہ مجھے ایسا منوّر دینا	76
54	سب لوگ کہاں دل میں بسانے کے لئے ہیں	78
55	عجیب اپنا بھی ہے فسانہ ملے بنا ہی جو کھو گیا وہ	80
56	لہو سے اپنے وہ ہر بام و در سجاتا ہے	81
57	یوں زمانے کتنے ہوئے کہ ہے تیرا چاند چہرہ حجاب میں	82
58	وہ جو جان وہ دل میں ہے جلوہ گر اُسے صورتِ نو بہار دے	83
59	ہمارے خواب میں یہ رنگ و بُو بھی شامل ہے	85
60	گم ہُوا آپ میں کچھ ایسے بھی حیرانی میں	86
61	دردِ دل دیتا ہے وہ زخمِ جگر دیتا ہے	87
62	حقیقت کا فسانہ ہو گیا ہے	88
63	آج کہتے ہو ہمیں جانِ جگر جانتے ہیں	89
64	ہم زندگی میں غم کی تفسیر ہو رہے ہیں	91

65	اپنا دل ہے یہ ہم زباں تنہا	92
66	ان سے جب سے نظر کا تصادم ہوا دل میں الفت کی شمع سی جلنے لگی	94
67	نہ اُس نے بات کی ایسی نہ کچھ سوال کیا	95
68	زلف کی شام کا چہرے کی سحر کا جادو	96
69	مدتوں بعد بھی مل کے یوں جدا ہو جانا	97
70	وہ نیم باز نظر کو جھکائے بیٹھے ہیں	99
71	کبھی وہ شام سرِ بام انتظار کرے	101
72	عروج پر یہ مرے بخت کا ستارہ ہے	103
73	بہارِ رُت میں جو ذرہ دکھائی دیتا ہے	104
74	میں دل کہوں کہ دل کی تمنا کہوں تجھے	105
75	پیار میں حالِ دل کیا رقم کیجئے چپکے چپکے سے کاغذ کو نم کیجئے	106
76	صبح تو نور سا چہرے پہ بکھر جاتا ہے	107
77	دل کا یہ درد بھی نغمات میں ڈھل جائے گا	109
78	انمول کھلونا بچوں کا	110
79	ہمارے دل میں بھی کیا کیا نہیں ہے	112
80	تنہائی کا درد بھی ہوتا ہے زلفوں کی مہک بھی ہوتی ہے	114
81	میں نے سوچا تھا کہ دے گا وہ اُجالے منظر	115
82	گلابی رنگ کا موسم گزرنے والا ہے	116
83	اب نئے رنگ میں تصادم ہے	117
84	تُو ہی ایک دلنشیں ہے، تُو ہی میرے روبرو ہے	118
85	دونوں جہاں سے بالکل بے گانہ ہو رہا ہوں	120
86	خدا کا نام جو نوکِ زباں پہ رکھتا ہے	121
87	چاند رنجور سا دن بھر کی تھکن سے جاگے	123

88	پیار خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا	125
89	نظر میں کوئی تو تازہ گلاب رکھ دیتے	126
90	مری تمناؤں کا سویرا ہی میری ہستی مٹا رہا ہے	127
91	حدودِ وقت سے آگے نکل کے جانا ہے	128
92	چرچا اپنی بیزاری کا دفتر دفتر رہ جائے گا	129
93	یہ دل غم کا ایک ٹھکانہ لگتا ہے	131
94	جھگڑا تمام عمر رہا آسماں کے ساتھ	132
95	وہ وصل کا دن قریب تر ہو کہ روبرو جب جناب آئے	134
96	خوب مقالے لکھ لیتے ہیں لوگ یہاں شہکاروں پر	136
97	دلوں کے ملنے بچھڑنے کے سلسلے بھی نہیں	138
98	محبتوں میں کوئی حادثہ بھی ہونا ہے	139
99	نواحِ جاں میں تری یاد آنکلتی ہے	140
100	فلک سے دل کی کتاب اُترے	142
101	کئی دنوں سے جو جلوے اُدھر کے دیکھتے ہیں	144

انتظار اور سہی

سلیم ساغر





رات گئے کل آنکھیں بھیگیں اپنے ہی افسانوں پر
یہ کل ہی کی بات ہے میں تو ہنستا تھا دیوانوں پر

دل مُسکایا تو گھر کا ہر ایک دریچہ کھول دیا
آنکھ بھر آئی پروے کھینچے سارے روشن دانوں پر

ایک زمانے سے دیکھا ہے دل کا موسم ایک رہا
آج ہنسی سی آجاتی ہے موسم کے عنوانوں پر

میرے پاؤں خون سے تر ہیں لیکن چلتا رہتا ہوں
دستِ شفقت جانے کس کا ہے یہ میرے شانوں پر

عیش و عشرت حسن کا حصہ، عشق کی قسمت رسوائی
ایک کہانی لکھ سکتے ہیں ہم سارے رومانوں پر

اس گھر کی تعمیر میں، میں نے عمر لگا دی ہے لیکن
میرے بچّے کل ہی اپنے ہاتھ دھریں گے کانوں پر

جیب میں سو چہرے رکھتا ہے بہروپی انسان یہاں
بات پتے کی آج کھلی ہے ہم ایسے نادانوں پر

گھر آئے مہمان کی خاطر داری کرنا لازم ہے
ہم نے دل ہی وار دیا ہے دل کے سب مہمانوں پر

کون تمہاری بستی میں ہے جو نہ مجھے پہچانے ہے
ساغرؔ تو اک نام ہے روشن اپنوں پر بے گانوں پر



وہ نامِ الفت پہ میری آنکھوں کو نم کرے گا مجھے خبر ہے
قدم قدم پر سزائیں دے گا، ستم کرے گا مجھے خبر ہے

وہ میری رگ رگ میں خون بن کر رواں دواں ہے یہ سچ ہے لیکن
مرے لہو سے وہ داستاں بھی رقم کرے گا مجھے خبر ہے

اُسی کی یادیں گلاب بن کر مہک رہی ہیں دل و جگر میں
وہ بھول جائے گا مجھ کو وقفِ الم کرے گا مجھے خبر ہے

میں اُس کے دل کے دریچہ و در سے بھی لوٹ آؤں گا خالی دامن
وہ ماسوا میرے ہر کسی پر کرم کرے گا مجھے خبر ہے

یہی نہیں بس وہ اعتبارِ نظر کو ہر دم فریب دے گا !
وہ میرے دل کو بھی پائمالِ قدم کرے گا مجھے خبر ہے

نوازشوں اور کرم کی بارش تو خیر قسمت نہیں ہے میری
جفائیں اپنی بھی مجھ پہ آخر وہ کم کرے گا مجھے خبر ہے

میں جس کی خوشبو تلاش کرتے جہاں سے ساغرؔ اُداس گزرا
وہ کوئی آنسو بہائے گا اور نہ غم کرے گا مجھے خبر ہے






بارے اُن کی رنجشیں بھی ایک احساں ہوگئیں
شام ہوتے جب کہ امّیدیں پشیماں ہوگئیں

مُسکرا کر دے گیا داغِ جُدائی خوش مزاج
موت کی دشوار تر راہیں بھی آساں ہوگئیں

شب سُناتا ہی رہا میں داستاں درد استاں
بے سرو سامانیاں دن میں نمایاں ہوگئیں

میں نہ کہتا تھا کہ اتنی مت بڑھاؤ التفات
اُلفتیں اتنی بڑھیں آخر کہ احساں ہوگئیں

اے دلِ وحشی! تمہاری وحشتوں کی خیر ہو
جس قدر ویرانیاں تھیں تنگ داماں ہوگئیں

سخت سناٹا تھا طے تھا رنگ لائے گا ضرور
ہاؤ ہو کی یہ صدائیں نغمۂ جاں ہوگئیں

کیا سنائیں دردِ دل کی داستاں ساغرؔ یہاں
زندگی کی صورتیں ساری پشیماں ہوگئیں



گُم شدہ صدیاں مقیّد زلف کی زنجیر میں
خوشبوؤں کی سرسراہٹ شورشِ تدبیر میں

حرفِ اثبات ونفی نے کی حسیں گُل کاریاں
نقش ہائے رنگ رنگ ہیں اس دلِ نخچیر میں

ایک اَن جانا تخیُّل ، ایک اَن دیکھا سا خواب
محوِ حیرت ہے تمنّا خواب کی تعبیر میں

لب کُشائی کی کہاں اِس خامشی میں احتیاج
خامشی جادو بیاں خود محو ہے تقریر میں

خلوتوں میں بے قراری، جلوتوں میں حیرتیں
الاماں! یہ دل کا عالَم کیا کروں تدبیر میں؟

تشنۂ تکمیل حسرت اور بہاریں نا تمام
وصل تیرا کاش لکھا ہو مری تقدیر میں

عشق میں بیتاب دل کچھ، کچھ خُدا نے ہم صفیر
کام سیمابی عناصر لائے ہیں تعمیر میں

یاد اُن کی صورتِ گل اور کبھی ساغر یہاں
آتشِ سیّال کی صورت مری تحریر میں



وہ بہاروں میں مجھے اک جلتا پیکر دے گیا
خامشی ہونٹوں پہ، دل میں شورِ محشر دے گیا

پہلے چُن کر مجھ کو اک شیشے کا پیکر دے گیا
ہر کسی کے ہاتھ میں اب کے وہ پتھّر دے گیا

ہم نے احساں بھی کِیا تو مسکرانا تھا قصور
وہ ہزاروں زخم دل کو مسکرا کر دے گیا

سب گنوا کر اُس کی محفل میں لگائے چار چاند
اور وہ بدلے میں کیسے سُونے منظر دے گیا

میرے دل کی وسعتوں میں بھر دیا ذوقِ جمال
اور امکاں کی زمیں پھر کتنی بنجر دے گیا

رکھ گیا میری نظر میں میکدہ اور دل میں پیاس
اور میرے ہاتھ میں اک ٹوٹا ساغر دے گیا



ریت کے سمندر میں، پھول بھی کھلائیں گے
جب محبتوں والے، زور آزمائیں گے

جلوہ گر تمنا ہے، سُرمئی نگاہوں میں
زندگی حسیں ہوگی، جب وہ مُسکرائیں گے

ٹھان لی ہو جب دل میں، پار لگ ہی جاتے ہیں
دیکھنا کہ خود طوفاں، راستہ دکھائیں گے

ایک یہ نشانی ہے، اِن اُداس لوگوں کی
درد کو چھپائیں گے، خوب مسکرائیں گے

دیکھئے کہاں تک ہو، زندگی سرِ مقتل
خود کو آزماتے ہیں، خود کو آزمائیں گے

ایک وہ ترقی ہے، ایک وہ ہے خوشحالی
جب اُداس آنکھوں میں، خواب مسکرائیں گے

درد کی حلاوت ہے، کچھ سلیم ساغرؔ کم
لوگ ایسے شعروں کو، کل ہی بھول جائیں گے



مہکتا جاتا ہے پیکر ، مرے قریب رہو
قریب آؤ گلِ تر ، مرے قریب رہو

یہ چاند یاد کا تنہا ٹھٹھرتا جاتا ہے
بچھا دو عکس کی چادر، مرے قریب رہو

مری دعا، میری تدبیر گُم خلاؤں میں
بجھے بجھے سے ہیں اختر ،مرے قریب رہو

ہر ایک رنج و الم کو ہنسی خوشی سہہ لوں
ہنسی لبوں پہ سجا کر ، مرے قریب رہو

تمہارا ساتھ ہے گم گشتہ کائینات مری
رہِ حیات میں ہم سر، مرے قریب رہو

رُخِ حیات ہے روشن تری محبت سے
بدل نہ جائے یہ منظر ،مرے قریب رہو

وصال و ہجر کے جھگڑے کو آج ختم کریں
مرے وجود میں چھپ کر،مرے قریب رہو






میں حادثوں کو کہاں تک آخر گلاب رُت کو نگلتے دیکھوں
یہ آتشیں بارشیں کہاں تک کہ خیمۂ گُل بھی جلتے دیکھوں

ہزار موسم بہار کے زندگی میں آئے اُداس گزرے
ہر ایک موسم میں شبنمی یہ وجود شعلوں میں جلتے دیکھوں

کوئی شناسا رہے گا کیسے جو رقصِ جادو گری ہے جاری
سراب اندر سراب طینت ہزار چہرے بدلتے دیکھوں

یہ میں ہوں تم ہو کہ اور کوئی نگل رہے ہیں یہ کس کو سائے
کوئی تو ہے یہ کہ روز جس کو یہاں اندھیرے اگلتے دیکھوں

یہ میری آہ و فغاں کا حاصل کہ بڑھ گئے ہیں ستم تمہارے
کہ شعلہ اور بجلیوں کی صورت میں آسماں کو پگھلتے دیکھوں

یہ جسم و جاں ہیں ابھی سلامت نہ جانے کیا شئے کہ کھوگئی ہے
حصار اپنے سے آخرِ شب میں روز خود کو نکلتے دیکھوں

یہ انقلابِ دل و نظر ہے، کہاں زمانہ بدل گیا ہے؟
کبھی تو تم کو بدلتے دیکھا کبھی میں خود کو بدلتے دیکھوں

ہوئے زمانے وہ بات دل کی رہی ہے ساغرؔ دبی ہی دل میں
وہ پھول سی بات ہے مگر زندگی کو اشکوں میں ڈھلتے دیکھوں






لفظ و معنی کیا ہیں وہ صوت و صدا لے جائے گا
وہ مجھے بے چہرگی دے گا ہوا لے جائے گا

خود فنا ہو جائے گا آخر حصارِ ذات میں
جو اٹھا کر رہ گزر سے نقشِ پا لے جائے گا

اپنی بھی پہچان کھوئے گا یقیناً خود بخود
وہ مرے ہاتھوں سے جس دن آئنہ لے جائے گا

میرے اِن احوال سے ہے ذات اُس کی مشتہر
جو کرے گا ساتھ میرے، خود صلہ لے جائے گا

جو بڑھا تھا میری جانب کیا خبر تھی ایک دن
رنگتِ خونِ جگر دستِ حنا لے جائے گا

میرے ہاتھوں کی لکیروں میں لکھا ہے دیکھنا
وہ مرے ہاتھوں سے اک دن سب اُڑا لے جائے گا

اتنی سی میری تمنا رہ گئی ساغرؔ یہاں
جانے کب وہ زندگی کا سلسلہ لے جائے گا



مرے وجود میں مجھ سے وہ ہم کلام رہا
کبھی یقیں تو کبھی اک خیالِ خام رہا

نظر میں اس کی نہ جانے کہ کیا مقام رہا
مجھے تو اس کا ہمیشہ سے احترام رہا

جو اپنے آپ کو میں نے چُھوا تو پتھّر تھا
بہار رُت کا بھی احساں برائے نام رہا

جو اپنا ہو نہ سکا وہ کسی کا کیا ہوگا؟
حصارِ ذات سے باہر میں صبح و شام رہا

تم اپنے ہونے کا مجھ سے قرار لیتے ہو
مجھے تو اپنے بھی ہونے میں کچھ کلام رہا

بھُلا چکا ہوں ہر اک شئے مگر ترا احساس
رہا ہے پیشِ نظر اتنا اہتمام رہا

میں تشنہ کام ہی ساغرؔ رہا ہوں اور سنوں
یہ طُرہ ساقی کا اُس پر کہ فیضِ عام رہا



شام کا منظر کہوں کیا کتنا خوں آشام ہے

زندگی کا نام اس میں اب برائے نام ہے

رہبروں اور رہزنوں کے ربطِ معنی خیز پر

رہگزر کے بیچ میں دل وقفِ صداوہام ہے

پیش خیمہ ہے سکوں کا یہ عمل تخلیق کا

ہاں مگر غارت گرِ دل شعلۂ الہام ہے

اب کہ جب دکھ زندگی کا لازمی جُز ہوگیا

خیریت ہی خیریت آرام ہی آرام ہے

دل کے دروازے پہ دستک دے رہے ہیں حادثے

ساری اُمّیدوں کو، خوابوں کو بھی اذنِ عام ہے

ہم پیالہ وہم نوالہ شام ہوتے گھر گئے

اب تو تنہائی ہے میں ہوں اور دلِ ناکام ہے

میرے چہرے پر صبح کے نام کی تختی نہ تھی
جانے کیوں میرا مقدّر پھر سزائے شام ہے

ہاتھ میں کھوٹا یہ سکّہ سچ کا ہے ساغرؔ یہاں
شہر کے بازار میں میرے لئے دُشنام ہے

کتابِ زیست کا روشن وہ اقتباس لگے
ہزاروں اجنبی لوگوں میں روشناس لگے

حسین اتنا تبسّم ہے مُسکرائے جب
مہکتے پھولوں کی صورت وہ آس پاس لگے

اُسی کا نور چراغِ حیات میں روشن
وہ زندگی کی شباہت کے آس پاس لگے

ہر ایک لمحہ اُسی کا شعور پر پرتَو!
کبھی تو جان پہ اپنی بھی التباس لگے

''قیاس کُن زگلستانِ من بہار مرا''
ابھی سے دل یہ محبت میں بدحواس لگے

عجب مزاج ہے ساؔغر ترا ابھی کیا کیجئے؟
ابھی تھا شوخی کا پیکر ابھی اُداس لگے



جانے کیا بات ہے ایسی میرے ہرجائی میں
دل لہو میرا مگر پھر بھی تمنّائی میں

بزم میں ہوں میں فقط شوخ مزاجی کی دلیل
رقصِ بسمل کا سماں ہے میری تنہائی میں

پاسکا کون وہ رعنائی و خوشبو کا سُراغ
قیس کو خاک ملی دشت کی پیمائی میں

قحطِ انساں جو ہے انسانوں کے جنگل میں اب
میں تماشے میں تماشہ ہوں، تماشائی میں

پار کرنا ہے مجھے آگ کا یہ بحرِ بسیط!
ہوں مگر ڈوبا ہوا اپنی ہی گہرائی میں

شوق تو شوق جفا سے بھی ہے شہرہ تیرا
نام ہوتا ہے تمہارا میری رسوائی میں

فصلِ گل آئی تو یہ بات کھلی ہے ساغؔر
دشت آباد ہوا ہے میری پہنائی میں



مِلا جو غم ، وہ مِلا اپنی ذات سے مجھ کو
گلہ ہے تم سے نہ کوئی حیات سے مجھ کو

تمام لوگ ہیں تشنہ دہن میں حیراں ہوں
مِلا ہے جام یہ کس کی زکوٰۃ سے مجھ کو

نہ جانے اُس نے کیا ہے یہ مجھ پہ کیا جادو؟
عزیز لگتا ہے وہ میری ذات سے مجھ کو

صلیب اپنی اٹھائے ہوں جب سے کاندھے پر
ملی نجات حیات و ممات سے مجھ کو

میں اُس کے سامنے شعلہ فشاں اگر جاؤں
وہ موم کرتا ہے بس ایک بات سے مجھ کو

مجھے سکھایا ہے ٹھوکر نے راستہ چلنا
سبق ملا ہے بڑا اپنی مات سے مجھ کو



سِتم کرے گا، بُھلا دے گا ، مار ڈالے گا
نکال پائے گا کب کائنات سے مجھ کو

وہ زہر دے یا کہ آبِ حیات دے ساغرؔ
بڑی یہ بات ہے دے اپنے ہات سے مجھ کو



یہ ابتداء ہے انوکھی ، یہ انتہا ہے عجیب
شعورِ ذات کا سارا ہی سلسلہ ہے عجیب

ہر ایک شخص جو چل پھر رہا ہے پتھّر ہے
تمہارے شہر کے لوگوں کا ماجرا ہے عجیب

جو گل بکف ہیں انہیں کے غبار چہرے ہیں
دیارِ دل میں نصیبوں کا معاملہ ہے عجیب

صدائیں پانے سے پہلے ہی ہو گئے مصلوب
سکوتِ مرگ میں لفظوں پہ ابتلاء ہے عجیب

یہ میرے پار اُترنے کا بھی نہیں ضامن
خدا بچائے مجھے، میرا ناخدا ہے عجیب






دل کی بیماری کی ہم نے وہ دوا پائی ہے
زندگی موت بنی ایسی شفا پائی ہے

کوئی منزل نہ ملی کھو گئے سارے رستے
بے سبب چلتے رہے کیسی سزا پائی ہے

کون یہ الٹے قدم لوٹ چلا ہے دل سے
کس نے مایوس مرے دل کی فضا پائی ہے

ہم کو اب آتشِ فرقت میں بھی جلنا ہوگا
ہم نے محبوب کے دامن کی ہَوا پائی ہے

تم بھی کیا پاؤ گے دیکھیں گے جفائیں کر کے
ہم نے تو اپنی وفاؤں کی سزا پائی ہے

بد دُعا ہے کہ دُعا کس کو خبر جو ہم نے
جیتے رہنے کی بزرگوں سے دعا پائی ہے

اب جفاؤں کا کسی سے ہو گلہ کیا ساغرؔ
راہِ الفت میں بھلا کس نے وفا پائی ہے



بادلوں کے جب وسیلے ہو گئے
سب نشاں لمحوں میں گیلے ہو گئے

پھر بھی پیاسی رہ گئی تپتی زمین
غرق بستی کے قبیلے ہو گئے

لوگ کچھ ہیں مفلسی کا خواب ہیں
لوگ کچھ ہیں رنگ رنگیلے ہو گئے

داستانِ عشق ہے یہ مختصر
سب گلابی لفظ نیلے ہو گئے

میرے بالوں میں سفیدی آ گئی
اور اس کے ہاتھ پیلے ہو گئے




میکدے میں لاج میری رہ گئی
گھونٹ پانی کے نشیلے ہو گئے

بات میں نے سچ کہی ساغرؔ انہیں
اور حضرت لال پیلے ہو گئے






مدّعا تو لفظ کی تفصیل میں گُم ہوگیا
ایک امکاں اپنی ہی تکمیل میں گُم ہوگیا

اس طرح میری دُعا بھی گم خلا میں ہوگئی
جیسے کوئی خط کہیں ترسیل میں گُم ہوگیا

عُمر بھر صحرا نوردی کا وہ حاصل تھا مگر
بُت ہے کوئی یا خدا تجہیل میں گُم ہوگیا

اپنے اندر تھا مکمل شعلۂ الہام بھی
کچھ تو ہے جو نور کی تنزیل میں گُم ہوگیا

ہر کسی نے ایک صورت دی جسے دیکھا نہ تھا
یوں ہوا چہرہ وہ پھر تمثیل میں گُم ہوگیا

بوڑھی ماں کا تھا سہارا کل پڑھا اخبار میں
نوجواں وہ فوج کی تحویل میں گُم ہوگیا

بارشوں سے تر ہوئے ہیں چارسُو ساغرؔ یہاں
میرا گھر ہی چشمِ میکائیل میں گُم ہوگیا



جبیں کی لوح پہ کوئی لکیر ایسی تھی
نگاہ جس نے بھی ڈالی وہ تیر ایسی تھی

ہر ایک بات وہ کرتا تھا مُسکراتے ہوئے
نہ جانے بات کیا مافی الضمیر ایسی تھی

یہ جسم و جاں کی ہیں مجبوریاں نہیں جاتیں
یہ کس نے خاک پہ کھینچی لکیر ایسی تھی

جو بازگشت میں بھی ایک بے نیازی ہے
دریچۂ دل پہ صدا کیا فقیر ایسی تھی

کوئی مثال نہیں ہے دل و نظر میں اب
میں کیا بتاؤں کسی کو وہ ہیر ایسی تھی

میں جانتا ہوں وہ بندہ نوازیاں ساغرؔ
اسی لئے تو طلب بھی فقیر ایسی تھی



محبت کو شرارِ ذات کرلیں
علاجِ گردشِ حالات کرلیں

بکھرتے ٹوٹتے رشتوں کی خوشبو
سمیٹیں یہ سعی دن رات کرلیں

کدورت کا نیہ لمحہ مختصر ہے
حیاتِ جاوداں کی بات کرلیں

دلوں کو جیت لیتی ہیں جو باتیں
انہی باتوں کی کوئی بات کرلیں

محبت کی مہکتی نرم باتیں
ہم اب سے شاملِ عادات کرلیں

حقیقت کے سمندر کو سراہیں
فسانہ ہم سرابِ ذات کرلیں

محبت کی ضرورت جاوداں ہے
اِسی سے دشمنوں کو مات کرلیں

خموشی سے فصلیں اُگ رہی ہیں
چلو ساغرؔ ہم اُن سے بات کرلیں



اب جفاؤں کی کسی سے کیا شکایت کرنا
راس آیا ہی نہیں ہم کو محبت کرنا

دل نے برباد کیا ہم نے تو سمجھایا تھا
دیکھ ناداں! تو کسی سے نہ محبت کرنا

آج دامن کو بچھائے ہیں درِ ناز پہ ہم
آج وہ بھول ہی جائیں گے سخاوت کرنا

نام الفت کا جہاں میں کہیں بدنام نہ ہو
تم دکھاوے کی سہی میری عیادت کرنا

دو جہاں جس نے محبت میں لٹائے ساغؔر
لازمی ہم پہ ہُوا اُس کی زیارت کرنا



ہر شام ڈھلے مہکا مہکا یادوں کا یہ جنگل ہوتا ہے
دھرتی پہ کنول کھِل جاتے ہیں آکاش بھی صندل ہوتا ہے

پربت کی سنہری چوٹی جب سورج کو وداع کر دیتی ہے
پھر چاند ترا یہ کھلتا ہے آکاش بھی شیتل ہوتا ہے

جب مست بہاروں میں کوئل من میت کا چھیڑے گیت کوئی
اے دور نگر کے باسی سُن ، من میرا یہ گھائل ہوتا ہے

یہ پھول ، دھنک ، تتلی ، بھونرا اور چاند کبھی میں جب دیکھوں
پہلے سے ہی پاگل من میرا کچھ اور بھی پاگل ہوتا ہے

خط ، پتر نہیں سندیس نہیں کیسی ہے یہ دوری میت مرے
مَن میرا بجھا سا ، تیرا بھی بھیگا ہُوا کاجل ہوتا ہے

آکاش کے سیلانی بادل کے ہاتھ سندیسا دیتا ہوں
جس کا نہیں کوئی مِتر یہاں ، اس کا تو یہ بادل ہوتا ہے

آجاؤ کہ رستہ تکتے اب آنکھوں میں اندھیرا چھائے ہے
برہن ہیں یہ آنکھیں روتی ہیں اب ایک یہ جل تھل ہوتا ہے

اے میت لگا کر پنکھ اُڑو ساغر ہے بچھائے نین یہاں
پریمی تو دِوانے ہوتے ہیں ، مَن اُن کا یہ کومل ہوتا ہے



میں نے آوارہ خوشبو کی اک بھیڑ میں آج دیکھا ہے اس کا وہ مہکا بدن
جو محبت کی دنیا کو تخلیق تھا چاندنی سے بھی اُجلا سا گورا بدن

آگہی کے مراحل کے ہر موڑ پہ اک نیا راز مجھ پر یہ کھلتا گیا
وہ جوانی کے ہر لمس سے بے خبر ہے مگر دل ہی دل شوخ رسیا بدن

نور آئینہ خانے میں پھیلا ہے جب ہر کسی کے تو کپڑے اترتے گئے
اِک مکمل صداقت کی پہچاں رہا بے لباسی میں اُس کا وہ ننگا بدن

ہائے اظہار کی پُر جھجک مشکلیں، جبر کے باوصف یہ اُمنگ، یہ ترنگ
میں نے اُس کا تو اُس نے بھی میرا کبھی اوڑھ رکھا تھا دل میں ہی پورا بدن

وہ سمندر کی دنیا کا باسی رہا پھر بھی تقدیر کا ہائے کیا کیجیے؟
زندگی بھر وہ بارِ گراں کی طرح سر پہ لے کے رہا اپنا صحرا بدن

یوں تو ارمان و خواہش، تمنا، تڑپ دورِ الفت کے خوابوں کے ساتھی رہے
دھوپ وحشت بھری جب مُسلّط ہوئی بس جھلستا رہا ایک تنہا بدن




جب کسی پر قیامت یہ منظور ہو خود بدلتی ہے تاثیر ہر چیز کی
آگ برسائے سُورج شکایت نہیں، چاندنی میں بھی دیکھا ہے جلتا بدن

بے گناہی میں پابندِ جبر و قہر، روح کی تو خطا میں شراکت نہیں
روح چاہے یہ مُٹھی بھرا آسماں رنگ و بُو کا حقیقت میں شیدا بدن

بِچھوؤں کی طرح دل کی دہلیز کو گھیر رکھا ہے نازک سے احساس نے
ورنہ ارماں رگ و پے میں صد ہا جواں آج بھی ہے چھپائے یہ رُسوا بدن

عنبریں نرم سایوں کا قائل نہیں، دور منزل مری ہے کٹھن راستہ
ایک صحرا نوردی مقدّر مرا، دھوپ سایہ مرا، شعلہ شعلہ بدن

میرے خونِ جگر کے دیئے بجھ گئے آفتابوں کے دل میں کدورت رہی
مجھ کو درپیش ہے ایک اندھا سفر جگنوؤں نے جلایا ہے میرا بدن

درد کی لہر اُس کے بدن میں اُٹھی میری انسانیت جاگ جیسے اُٹھی
مجھ کو پل بھر میں محسوس ہونے لگا اوڑھ رکھا ہو جیسے یہ اُس کا بدن

یہ تو اپنا مقدر ہے کیا کچھ ملا؟ آج تک یادِ دامن سے لپٹی تو ہے

سیرِ گلشن کا منظر وہ تازہ رہا جب مرے خواب کا مجھ میں ڈوبا بدن

میں چلا تھا ہواؤں کا گھر ڈھونڈنے، میں نے خود کو بھی ساغرؔ کہیں گم کیا

میں کہ بے چہرگی کی تڑپ خود لیئے مجھ سے الفاظ نے آج مانگا بدن



کہاں لے کے آگیا ہے مجھے شوق خوشبوؤں کا
یہاں جسم و جاں میں بھی ہے جو گمان فاصلوں کا

تھی یہ ڈگمگاتی کشتی ہاں مگر یہ حال کب تھا
کہ اذیّتوں بھرا ہے، جو سماں یہ ساحلوں کا

میری بے کسی کے عالم پہ نہ انگلیاں اٹھائے
یہ شباہتوں کا لشکر، یہ دیار آئینوں کا

میں جہانِ رنگ و بُو میں بے خبر سفر میں گم ہوں
یہ ہے ایک خود فریبی جو سفر ہے دائروں کا

میں تلاشِ ذات کرلوں، میں رہِ حیات کرلوں
مجھے کوئی تو پتہ دے میرے کھوئے سلسلوں کا

نہ حصار سرحدوں کا، نہ فصیل دشمنوں کی
میرے اس جہاں سے بہتر وہ جہاں ہے طائروں کا

رہِ شوق ہے یہ ساغرؔ تو سنبھل سنبھل کے چلنا
یہ ڈگر ہے مشکلوں کی، یہ سفر ہے حادثوں کا



نظروں میں عمرِ رفتہ کی روشن کتاب ہے
شعلوں میں میرے ہاتھ میں تازہ گلاب ہے

گُل کاری سات رنگ کی تحت الشعور میں
ہوتی ہے جب سے سامنے وہ آفتاب ہے

شاید یہ نسبتوں میں لپک ہے خمیر کی
تکمیلیت وجود کی منزل ہے، خواب ہے

آخر میں اس دیار کا حاصل ہے تشنگی
صحرائے زندگی میں تمنّا سراب ہے

منظر حسین وقت کی رفتار لے گئی
یادوں کا کارواں یہ مرے ہمرکاب ہے

ساؔغر حیات دشت میں لائی ہے کیا کریں
یہ دوپہر کی دھوپ سراسر عذاب ہے



لے کے پہلا سا وہ اندازِ نظر شام کے بعد
میری حیران سی آنکھوں میں اُتر شام کے بعد

اپنی موہوم سی منزل کی تمنّا لے کر!
تھک کے سو جاتی ہے ہر راہ گزر شام کے بعد

دن کے سنسان دریچوں پہ سسکتے ارمان
منہ چھپاتے ہیں خدا جانے کدھر شام کے بعد؟

کوئی وعدہ، کوئی اُمید ، کوئی بات نہیں
کیسے ہو جائے گی ایسے میں بسر شام کے بعد

کیا خبر تم کو دکھاتا ہے بہاریں کیا کیا!
دل کے زخموں کا گلستان مگر شام کے بعد

میری ویرانی کا اس وقت سماں دیکھو تم
کب ملا پاؤ گے نظروں سے نظر شام کے بعد

شام سے پہلے ہے ناکامی مقدّر دل کا
درد، تنہائی، اندھیروں کا سفر شام کے بعد

کیوں مکیں شام سے پہلے نہیں لوٹے گھر کو
پوچھتے ہیں یہ در و بام، یہ گھر شام کے بعد

گھر کے رکھوالے ہی بن بیٹھے لٹیرے جب سے
گھر میں ہر روز لگا رہتا ہے ڈر شام کے بعد



دل کو اپنے بے نیازِ لاؤ لشکر کر دیا
ہم فقیروں نے جہاں چاہا ہے لنگر کر دیا

حُسن کی منّت پذیری کب گوارا ہے ہمیں
دل کے بدلے جان دی ہے سب برابر کر دیا

انتہائے شوق اپنی دیکھنے کی چیز ہے
اپنی حیرانی سے پانی کو بھی پتّھر کر دیا

پتّھروں میں جان ڈالی اک نگاہِ شوق نے
پھر غرورِ حُسن نے ان کو ستم گر کر دیا

کیا کہیں حرفِ شکایت ہے خطاؤں میں شمار
خود ہی دیکھونا کبھی کیا کیا مقدّر کر دیا

خون سے میرے وہ ساغرؔ رنگ کے سب بام و در
کہہ رہے ہیں ہم نے کیا رنگین منظر کر دیا



ہم محبتوں والے رات دن مچلتے ہیں
شمع کی طرح اپنی آگ میں ہی جلتے ہیں

دل بچھائے رہتے ہیں ہم نظر کے بدلے میں
وہ جہاں بھی جاتے ہیں جس طرف نکلتے ہیں

عشق دل کا سودا ہے، عشق جاں کا سودا ہے
جان و دل ہتھیلی پہ لے کے ہم نکلتے ہیں

پاس آ کے منزل کے بڑھ رہی ہے پھر دوری
جب نظر وہ آتے ہی راستہ بدلتے ہیں

ہر قدم محبت میں امتحان ہوتا ہے
حادثے محبت کے جان لے کے ٹلتے ہیں

دشمنی زمانے کو لاکھ ہو محبت سے
فیصلے محبت کے یہ کہاں بدلتے ہیں

دو کنارے ہوتے ہیں دل نصیب میں ساغرؔ
مل کہیں نہیں پاتے ساتھ ساتھ چلتے ہیں



دل کا اس طرح تری راہ گزر میں رہنا
رنگ دکھلائے گا ہر وقت سفر میں رہنا

آتشِ عشق میں چپ چاپ جلا کرتے ہیں
اپنا دستور نہیں خبر و نظر میں رہنا

تو وہ خوشبو نہیں، جو موجِ ہوا لے جائے
تجھ پہ لازم ہے مرے قلب و جگر میں رہنا

کس کا چہرہ ہے، خدا جانے لگائے ہے کون؟
کارِ دشوار ہے شیشوں کے نگر میں رہنا

اب یہاں ہوتی ہے لاشوں کی تجارت ساغرؔ
لازمی ٹھہرا ہے قاتل کی نظر میں رہنا



زمیں تا آسماں ہنگامہ سا ہے
تماشہ زندگی کا سلسلہ ہے

پروں میں سر چھپائے ایک پنچھی
کئی پہروں سے بیٹھا کانپتا ہے

ڈبو دے گا وہ اِمکانی جزیرے
دعا جو پانیوں کی مانگتا ہے

چبھن کانٹوں کی شب بھر اسکی قسمت
جولب پھولوں کے دن کو چومتا ہے

گماں آوارگی ہے جسم و جاں کی
یقیں سچ سلسلہ در سلسلہ ہے

جوانی ریگزاروں کی مسافر
حُدی خواں دل ہے نغمہ گا رہا ہے

صدا آتی نہیں ہے کوئی ساغؔر
مرے اندر مگر کچھ ٹوٹتا ہے

غرورِ ذات کا سارا نشہ ہے خطرے میں
مے و ایاغ لیئے میکدہ ہے خطرے میں

نشاطِ روح کے پیکر تراشنا معنی؟
صداقتوں کی زمیں پر بقا ہے خطرے میں

دُکھے نہ دل بھی، حقیقت بھی شرمسار نہ ہو
یہی ہے خواب بھلے ہی رِدا ہے خطرے میں

یہ ہست و نیست کی زد میں تمام عالم ہے
محبتیں ہیں دوامی، سِوا ہے خطرے میں

یہی نہیں کہ سب الفاظ کھو چکے تاثیر
بدلتے وقت میں اِن کی صدا ہے خطرے میں

ہے سونے چاندنی کی تابانی چشمِ نرگس میں
خلوص دار پہ، مہر و وفا ہے خطرے میں

تمہاری مانگ سجانے کو رقصِ بسمل ہے
وطن یہ بھول کہ برگِ حنا ہے خطرے میں



رات بھر کروٹیں یہ بدلتا رہا عکس کی ہی تمازت میں جلتا بدن
کچھ سنبھلتا ہوا، کچھ بکھرتا ہوا، آپ سے ہی یہ پل پل اُلجھتا بدن

مثلِ آواز ہے ایک احساس ہے، طوق و زنجیر کی کب اسیری سہے
درد و لذّت کی سب سرحدوں سے پرے شوق کے مرحلوں سے گزرتا بدن

میرے مجبور ہاتھوں کو تکتا رہے، میری بے چارگی پر بھی روتا رہے
میرا جوشِ جنوں، میرا دیوانہ پن، الفتوں کو ترستا یہ پیاسا بدن

آفتابوں نے آنکھوں میں شعلے لیئے برف زاروں کے دل سے بھی چھینا لہو!
ریگزاروں کو پھر زندگی دے گیا چارسو پانیوں کو ترستا بدن

اِس جوانی میں کیسی سزا دے گیا کس قدر دل ہے لبریز احساس سے
دل کی ویرانیاں جسم و جاں بن گئیں ہر رگ و پے میں ہے اک جھُلستا بدن

رہگزر کو ''دیئے'' کی ضرورت رہی دل مرا کر دیا ایک جلتا ''دیا''
آج پیکر مرا ہے دھواں ہی دھواں لاکھ تنہائیاں شعلہ شعلہ بدن

اُس کی دہلیز پر میں نے سر رکھ دیا اُس نے نظرِ عنایت سے دیکھا نہیں
لوٹ چلتا ہوں مایوس ہر مرتبہ لے کے مدّت سے اپنا یہ رسوا بدن

عشق کیا ہے جھلتی سی دنیا میں یہ، نرم سائے کا بس ایک احساس ہے
زندگی دوپہر میں گزرتی رہی آگ برسی ہے ایسی کہ جھلسا بدن

اوچھی بازی گری میں نے سیکھی نہیں مجھ کو ہر سادگی کی سزا دے گیا
شاطرانہ سیاست کے اِس دور میں زندگی کو ترستا ہے سہما بدن

میں کہ کھوئے جزیروں کا باسی رہا اپنے دل میں ہی ساغرؔ کہیں کھو گیا
اُس کے ہاتھوں میں تھا جامِ جم بھی مگر کھوج پایا نہ اب تک وہ میرا بدن



ہر سُو شعلہ زار لکھیں کیا؟
لاشوں کے انبار لکھیں کیا

شام سے وحشت سی رہتی ہے!
کل جانے اخبار لکھیں کیا؟

سب ہیں زندہ لاشیں لے کر
کیا کیا ہیں آزار لکھیں کیا؟

کس کس کو اب کھوج نکالیں؟
قبروں کے آثار لکھیں کیا؟

کس کی سفّاکی کا مظہر
ابرِ شعلہ بار لکھیں کیا؟

صُمٌ بُکمٌ عُمیٌ ساغؔر
سارے ہیں کردار لکھیں کیا؟



بحرِ ہستی کا یہ سیلاب نہیں دیکھا تھا
جوش دیکھا تھا یوں گرداب نہیں دیکھا تھا

وہ بتاتا تھا کہ موجوں پہ حکومت ہے مری
اُس نے بستی کو جو غرقاب نہیں دیکھا تھا

زندگی کل بھی اُداسی سے عبارت تھی مگر
اِس کی آنکھوں میں تو خوناب نہیں دیکھا تھا

آؤ دیکھو کہ بدلتا ہے زمانہ اے دوست!
اس طرح جیسے کبھی خواب نہیں دیکھا تھا

وقت کے آئینے بے نور ہوئے جاتے ہیں
ایسی ظلمات کا سیلاب نہیں دیکھا تھا

جانے کیوں آج مچلتا ہے دلِ دیوانہ!
اتنا پہلے کبھی بے تاب نہیں دیکھا تھا






دشت کی راہ نہ لی، مانی نہ سودائی کی
خود سے ملنے کیلیئے ذات کی پیمائی کی

اپنے عرفان کی دستک جو ہوئی ہے دل پر
دل نے گم گشتہ جہانوں سے شناسائی کی

لبِ دریا پہ نہ لوٹے ہیں شناور اب تک
بات کھل جاتی ہے ایسے بھی وہ گہرائی کی

عیش میں ہوتا نہیں کوئی جوازِ نغمہ
نغمگی خوب سُراخوں سے ہے شہنائی کی

دل کے آئینے پہ ہو نقش شباہت تیری
اک تمنّا ہے یہی تیرے تمنائی کی

اُس کی خوشبو سے مہکتی ہیں فضائیں ساغؔر
آج تقدیر تو جاگے میری تنہائی کی



میں اپنے نام کا اختر تلاش کرتا ہوں
ہتھیلیوں میں مقدر تلاش کرتا ہوں

شعورِ عصر سے اپنا سُراغ ملتا نہیں
میں کوئی مست قلندر تلاش کرتا ہوں

جو ایک شکل میں تحلیل ہو گیا سارا
شباہتوں کا وہ لشکر تلاش کرتا ہوں

جبینِ عصر کی بے تاب اک شکن ہوں میں
سکونِ رفتہ کے منظر تلاش کرتا ہوں

صدا و نطق کا احساں جنہیں گوارہ نہیں
مروّتوں کے وہ تیور تلاش کرتا ہوں

میں فاصلے کا پتہ دے کے محوِ حیرت خود
کہ سنگِ میل ہوں رہبر تلاش کرتا ہوں

مرے وجود میں سایوں نے تیرگی بھر دی
میں روشنی کا سمندر تلاش کرتا ہوں

سنا ہے پیرِ مغاں مہرباں بھی ہوتا ہے
میں تشنہ کام ہوں ساغر تلاش کرتا ہوں



خانۂ دل میں ترے نغمہ سرا اور سہی
میں کہ مجبورِ وفا ، میرا صلہ اور سہی

رنگ و بُو ہوش رُبا چشمِ طلب کی خاطر
دم بدم دل کی فقیرانہ صدا اور سہی

ہاں جسے دیکھیۓ مشغولِ خداوندی ہے
اس زمیں اور زمانے کا خدا اور سہی

سادگی دل کی یہ جادوئی ہنر رکھتی ہے
کج اداؤں کا ہُنر ، نازو ادا اور سہی

ایک اَن دیکھا تعلّق ہے سدا سے اِن میں
ہاں جدا خونِ جگر ، رنگِ حنا اور سہی

شعر میرا تو مرے دل کی زباں ہے ساغؔر
معجزۂ نطق و صدا ، آہِ رسا اور سہی



ہر درد نیا دل کا، ہر زخم پُرانا ہے
لاکھوں ہیں ستم ان کے، دل ایک نشانہ ہے

پھر ریت پہ ساحل کی تصویر بناتا ہوں
پھر لہروں کو آتے ہی ہر نقش مٹانا ہے

کیا ہوگا خدا جانے انجامِ تمنّا اب
مجبور ہے دل میرا، ظالم یہ زمانہ ہے

اِمکان ہیں دُھندلے سے شاید وہ چلے آئیں
رستے پہ چراغوں کو ہر شام جلانا ہے

سنتے ہیں بہاروں میں ہر چیز سنورتی ہے
کیوں اپنے مقدّر میں بس آنسو بہانا ہے

بن بن کے بگڑتی ہے تقدیر مری ساغؔر
حسرت ہے ابھی باقی اس کو بھی گنوانا ہے






اُترا ہے دل میں یاد کا خنجر تمام رات
عالم رہا ہے صورتِ محشر تمام رات

خاموش سب ہوئے تو سماں بولنے لگے
منہ میں زبان رکھتے ہیں منظر تمام رات

توحید کی کرن سے صنم منہ کے بل گرے
رویا صبح، تراش کے آزر تمام رات

الجھے شکن شکن میں کنوارے جو خواب تھے
خالی پڑی رہی ہے جو چادر تمام رات

جلتا رہا کبھی تو کبھی بجھ کے رہ گیا
اِک آرزو میں شمع سا پیکر تمام رات

گلشن کی چاہ کیسے سنگستاں میں لے گئی
دن کو لگے جو پھول وہ پتھّر تمام رات

تجھ سے بچھڑ کے آج ہیں جلتے سے دن نصیب
جھلسا رہا ہے چاند بھی پیکر تمام رات

شاید نصیب میں ہی سحر دیکھنا نہیں
ہوتی نہیں ہے آج کی ساغرؔ تمام رات



میرے احساس کا کیا رنگ مری ذات میں ہے
خود سے ہی ایک عجب جنگ مری ذات میں ہے

جب سے الفاظ منافق ہوئے پتھرایا ہوں
کوئی آواز نہ آہنگ مری ذات میں ہے

کس کی سازش ہے لہو سے میرے تاثیر گئی
آج ہر نقش کہ بے رنگ مری ذات میں ہے

دوستی ٹھیک مگر بھولنے والے دیکھو!
اب بھی محفوظ ترا سنگ مری ذات میں ہے

ہاتھ لگتے ہی چمک کھوتی ہے ہر اک شئے کی
یاخدا! کیسا عجب زنگ مری ذات میں ہے

اس طرح عمرِ رواں دیکھ رہا ہوں ساغرؔ
جیسے حسرت کہ بہ صد رنگ مری ذات میں ہے



اُس کی اُلفت کا یہ دل اب بھی تمنّائی ہے
دل کا کیا ہے یہ تو پاگل ہے، یہ سودائی ہے

اک زمانے سے یوں قربت ہے شناسائی ہے
میری تقدیر مگر غم ہے، یہ تنہائی ہے

شبنمی خواب لئے پیش ہے صحرا کا سفر
زندگی خود میری حسرت کی تماشائی ہے

ہونٹ سی لوں تو ہوئی جائے قیامت برپا
لب کُشائی میں کروں گا، تو بھی رُسوائی ہے

بے سبب تم سے اُلجھ پڑتے تھے ناصح سچ ہے
عشق آفت ہے، مُصیبت ہے، یہ رسوائی ہے

سینہ افگار ہوں میں نغمہ سرائی ہے دلیل
میری تمثیل تو ساغرؔ میری شہنائی ہے



ہر درد کیا اُس نے مرے نام سے منسوب
اُلفت میں مری ذات ہے الزام سے منسوب

میں ریت کا گھر روز بناؤں سرِ ساحل
قسمت نے کیا مجھ کو یہ کس کام سے منسوب

آوارگیٔ لمحۂ بے نام مری عمر
کچھ صبح سے نسبت ہے نہ ہوں شام سے منسوب

یہ سوچ رہا تھا کہ مری آنکھ بھر آئی
کیا کیا نہ خطا ہے دلِ ناکام سے منسوب

باطن کی صفائی ہو بیاں نوکِ قلم سے
پھر شعر ہوا کرتا ہے الہام سے منسوب

میں اُس بتِ کافر کی سیہ زلف کا قیدی
دل میرا ہے اک عمر سے اس لام سے منسوب

ہر شخص شناسائی سے ملتا ہے جو ساغؔر
کیا ایسا فسانہ ہے مرے نام سے منسوب



مہتاب سا وہ چہرہ دل میں اُتر رہا ہے
دھڑکن کا رُوپ لے کر گھر دل میں کر رہا ہے

مہکا وجود لے کر رہتا ہے گل بہ دامن
خوشبو لٹا لٹا کے گل رُخ نکھر رہا ہے

رکتا نہیں ہے پل بھر بادِ صبا کی صورت
جب بھی نظر ملی ہے محوِ سفر رہا ہے

یوں دور دور مجھ سے رہتا رہا ہے لیکن
کب سے دل و نظر میں اُس کا گزر رہا ہے

الفاظ میں اسی کے جلوے مچل رہے ہیں
ہر شعر حُسن اُس کا لے کے نکھر رہا ہے

خلوت میں شعر میرے وہ گنگنائے لیکن
پہچاننے سے مجھ کو پھر بھی مُکر رہا ہے



تاب کس کو میری جلتی ہوئی دنیا دیکھے
میرے گلشن کو یوں ہوتے ہوئے صحرا دیکھے

نکہتِ گُل میں مہک میرے لہو کی پائے
جو بہاروں میں کسی پھول کو کھلتا دیکھے

اک طرف دیکھ اگر لے وہ بدن کا صحرا
اک طرف آنکھوں کا بہتا ہُوا دریا دیکھے

انتہا شوق کی دیکھے گا زوال آمادہ!
اور جگر سوز وہ انجامِ تمنّا دیکھے

رشک آجائے اُسے غنچہ دہن پہ میرے
نوحہ گر ہو جو یہ صدمات کا پردہ دیکھے

حال میرا ہے یہ جس شخص کی مہجوری میں
فائدہ! اُس کے سِوا لاکھ یہ دنیا دیکھے





خودی کا احترام ہے، سوال کر نہ پاؤ گے
پُرانی وہ رفاقتیں بحال کر نہ پاؤ گے

دل و نظر کی دوریوں میں ہر خوشی کی موت ہے
سدا فراق کی یہ شب وصال کر نہ پاؤ گے

تمہاری راہ میں کھڑی اصول کی صلیب ہے
کہ خود سے بچ سکو گے یہ کمال کر نہ پاؤ گے

سدا رہی ہے بامراد نیم شب کی گفتگو
کہ سب کے سامنے یہ عرضِ حال کر نہ پاؤ گے

سلام لے نظر کا تُو نہ دل میں جھانک، دل ہے یہ
شکستہ حال کس قدر خیال کر نہ پاؤ گے

تمہارے حق میں خوب ہے کہ خامشی سے کام لو
کہ خود کو بانسری کی تم مِثال کر نہ پاؤ گے



اُن کا اثبات ونفی خوب ہے تاکید کے ساتھ
خود ہی تائید بھی کرتے ہیں وہ تردید کے ساتھ

اُن کی نظروں میں محبت ہے لبوں پر شکوے
بات شیریں ہے مگر تلخی تمہید کے ساتھ

دل کے جذبات بدل جائیں مگر رہتی ہے
یاد خوشبو کی طرح نغمۂ جاوید کے ساتھ

ذکر سے اُن کے محبت کی مہک ہے منسوب
اور یہ جشن بہاراں کی سحر دید کے ساتھ

منتظر تشنہ دہن جام بکف بیٹھے ہیں
جام چھلکے گا مگر ساقی کی تائید کے ساتھ

جب بھی آجائے، تو آتا ہے تصوّر اُن کا
چاند کا حسن لئے جلوۂ خورشید کے ساتھ

حاصلِ عمر وہ لمحے ہیں جو ساغؔر گُورے
شوق کی بزم میں اُس غیرتِ ناہید کے ساتھ



بزمِ امکاں پہ تصوّر کی نظر ہو جائے
گُم شدہ اپنے جہانوں کا سفر ہو جائے

ایک تمثیل ہے، کعبے کا سفر کیا معنیٰ!
اپنا مسجود ہی سینے میں اگر ہو جائے

اہلِ دل کیلئے ہر رنگ سعادت مندی
وصل ہو جائے کہیں چاک جگر ہو جائے

راہ ہوتی ہے یہاں کہتے ہیں دل کو دل سے
دل میں جذبہ جو اِدھر ہے وہ اُدھر ہو جائے

زخم کی شاخ پہ نغمات کے گُل کھلتے ہیں
فصلِ گُل آئی گُلستان ہنر ہو جائے



منظر میں عُمر بھر کی سمائی ہوئی ہے آگ
ہر ایک شئے میں آج یہ کیا کیا لگی ہے آگ

تاریکیوں میں نور کا دے کے مجھے فریب
لے کے جدھر چلا ہے وہ دیکھا لگی ہے آگ

قربت کے پھول راس نہ فرقت کے خار ہیں
الفت کی ایک ایک کہی اَن کہی ہے آگ

لازم ہے بات بات میں حد درجہ اعتدال
گر چہ خودی ہے نور مگر خود سری ہے آگ

صحرا وجود لے کے ، سمندر بنا رہا!
اپنے لبوں کی پیاس بڑھی خود لگی ہے آگ



یہ سطحِ آب پہ اُبھرے ہیں دائرے پھر سے
یہ کیسے ملنے لگے کھوئے سلسلے پھر سے

شکستہ پائی لیئے ، لوٹ کر تہی دامن
کوئی تو بات ہے جاگے ہیں حوصلے پھر سے

تمہاری بات سے مہکی ہیں چاہتیں لیکن
وہی یہ دل ہے، وہی دل کے مسئلے پھر سے

محبتوں کا تقدّس عظیم شئے ہے مگر
یہ خار زار فقط دے نہ آبلے پھر سے

میں عمر بھر کی تمنّا سمیٹے ہوں دل میں
یہ انتظار ہے مجھ کو تُو آملے پھر سے

میں خود سے ایک زمانے سے یوں ملا ہی نہیں
بچھڑ جو جاؤ گے ٹوٹیں گے سلسلے پھر سے

پھر ایک بار مجھے خوں رُلا رہی ہے بہار
ترے بغیر بہاروں میں گُل کھِلے پھر سے

صدا یہ کیسی ہے؟ ساغرؔ کہیں سے آخرِ شب
پکارتے ہوں نہ خونین راستے پھر سے



چاند دیکھوں نہ کہیں پھول ہی کھلتا دیکھوں
عکس ہے آپ جو اپنا میں وہ چہرہ دیکھوں

بس وہی دل میں، نگاہوں میں، خیالوں میں سدا
پھر بھی میں شام وسحر اُس کا ہی رستہ دیکھوں

وہ توجّہ ہے کہ محسوس ہو صحرا میں بہار
وہ تغافل ہے کہ گلشن میں بھی صحرا دیکھوں

یوں گزرتا ہے نگاہوں سے یہ سارا عالم
دل کی گہرائی میں اک شخص کو تنہا دیکھوں

کیوں اُسے مل کے میں پوچھوں کہ کہو کیسے ہو
بات ایسی ہے تو کیوں دل ہی نہ اپنا دیکھوں

راہِ اُلفت ہے کہ گل گشت نہیں ہے ساغرؔ
ہر قدم ایک عجب آگ کا دریا دیکھوں



ہے کربِ ذات کی دنیا بھی لفظیات میں گُم
رہِ حیات میں عالم ہے شش جہات میں گم

ملا ہے ذات سے اپنی ترا سُراغ مجھے!
مگر میں آپ ہُوا ہوں خود اپنی ذات میں گم

میں اپنی آگ میں جلتا ہوں کب سے چُپکے سے
مرے نصیب کا سُورج ہے میری رات میں گم

چراغِ راہ کی مانند جلتا بجھتا ہوں!
مرا نجات دہندہ ہے کائنات میں گم

مجسمہ خالی ہے انساں فرار مُجرم ہے!
ہے رنگ و نسل میں، مذہب میں، ذات پات میں گم

شعور و فہم میں کوئی ٹھکانہ اِس کا نہیں
تمام علم ہُوا ہے قلم دوات میں گم

اُسے ملوں میں کہ ساغرؔ ابھی میں خود سے ملوں
وہ میری ذات میں گم ہے میں اسکی ذات میں گم



قرطاسِ دل پہ ہوں نہ میں تحتِ شعور ہوں
کھلتا نہیں کہاں پہ میں بین السطور ہوں

آوارگی ہے راس نہ کُنجِ قفس ہی راس!
اپنی تلاش کی ہے تھکن چُور چُور ہوں

میرا وجود معمّہ ہے کائنات کا
پل بھر میں پاس ہو کے میں پل بھر میں دور ہوں

میرے ہی ہاتھ آج یہ خالی ایاغ ہے
کہنے کو بزمِ خاص کا میں رنگ و نور ہوں

یہ اور بات ہوں میں ہر اک آئینے سے دور!
لیکن تمہارے گُن میں تو شامل ضرور ہوں

میں نے کیا ہے سرمد و منصور کو اِمام
وجدان میں ہوں مائل رقص و سرور ہوں




جلتا رہا ہوں کب سے میں اپنی ہی آگ میں
روشن چراغ ہوں، میں تو جلتا تنور ہوں

بے کیف ہو رہی ہے یہ اب کے نمازِ شوق
سیمابی ہے مزاج مرا بے حضور ہوں



دل کا آئینہ مجھے ایسا منوّر دینا
تم ہی تم آؤ نظر روز یہ منظر دینا

تیری شوخی ہے، ستم ہے کہ خُدایا کیا ہے
اِس سنگستان میں شیشے کا یہ پیکر دینا

زندگی کانپ رہی ہے، یہ ڈری سہمی ہے
وقت کے ہاتھ میں کوئی بھی نہ خنجر دینا

کب سے ٹھہرا سا ہے سر پہ یہ دہکتا موسم
اب کے رُت بھیگی ہوئی، بھیگا سا منظر دینا

مختصر دنیا ہے حسرت بھی ہماری کم ہے
بُھول سے بھی نہ ہمیں بختِ سکندر دینا

پیاسی آنکھوں میں کبھی خواب نہ بھیگے آئیں
سوکھے پُھولوں کو یہ شبنم کا سمندر دینا

میں تو ظُلمت کے سمندر میں ہوں ڈوبا پھر سے
ناخدا! آج مجھے دستِ شناور دینا

جلتے منظر ہیں، زمیں سوکھی ہے، پیاسے لب ہیں
ابرِ تر ایسے میں شعلوں کے برابر دینا

مجھ کو وجدان عطا سرمدو منصور کا ہو
ایسی آواز مری ذات کے اندر دینا

دل کی رنجیدہ زمیں چاند اُگاتی جائے
پھر کوئی زخمِ تمنّائے معطّر دینا



سب لوگ کہاں دل میں بسانے کے لئے ہیں
اکثر تو یہاں دل سے بھلانے کے لئے ہیں

میں اُن کا ہوں اور مجھ پر ہر اک ظُلم روا ہے
اخلاص کے پیکر وہ زمانے کے لئے ہیں

یادوں کے دریچے میں یہ جاگے ہوئے منظر
سوئے ہوئے کچھ درد جگانے کے لئے ہیں

ہونٹوں کا تبسم ہے لٹا دینے کی خاطر
اور اشک تو پلکوں سے چرانے کے لئے ہیں

جس راہ سے گزروں ہیں اُسی شخص کے جلوے
دیوانے کو دیوانہ بنانے کے لئے ہیں

کچھ لوگوں سے دنیا یہ ہے جنت سے حسیں تر
کچھ لوگ فقط دل کو دُکھانے کے لئے ہیں

ہر موڑ پہ دیتے ہیں یہ آزار ہی ساغر
رشتے تو مگر پھر بھی نبھانے کے لئے ہیں



عجیب اپنا بھی ہے فسانہ ملے بنا ہی جو کھو گیا وہ
لبوں پہ جس کے ہنسی سجائی مری ہی پلکیں بھگو گیا وہ

یہ کیسے ممکن ہے اُس کو بھولوں، نظر میں کیسے اُسے چُرا لوں
کہ میری دھڑکن میں، سانس میں اور نظر میں خود کو سمو گیا وہ

وہ صورتِ گل، وہ عینِ گلشن، وہ خوشبوؤں کا ہے ایک پیکر
مگر کئی مرتبہ ہوا یوں کہ کانٹے دل میں چبھو گیا وہ

محبتیں غم سے ہیں عبارت، مجھے الم سے گریز کب ہے
مگر کہ سانسوں کی ڈور میں اب کے کتنے آنسو پرو گیا وہ

جھکا جھکا سر، اداس آنکھیں، زباں ہے چُپ اور شکستہ دل ہوں
یہی ہے پہچان اب کہوں کیا مرا تو سورج ڈبو گیا وہ

کسی سے اب کیا گلہ کریں گے، شکایتوں سے ہے اب کیا حاصل
یہ ابتدا سے ہے میری قسمت ملا ہے جو کچھ بھی کھو گیا وہ






لہو سے اپنے وہ ہر بام و در سجاتا ہے
قفس میں رہتے ہوئے رہگزر سجاتا ہے

اُسے خبر ہے کہ سورج تو اُس کا ڈوب چکا
مسرّتوں کی وہ پھر بھی سحر سجاتا ہے

جیا ہے شان سے، مرتے بھی بانکپن رکھا
وہ جامِ و مینا میں خونِ جگر سجاتا ہے

قفس نہ توڑ سکا حوصلے اڑانوں کے
اسیریوں میں بھی وہ اپنے پر سجاتا ہے

وہ جانتا ہے کہ آبِ حیات پی لے گا
کہ ذوق وشوق سے نیزوں پہ سر سجاتا ہے

نزول ہوتا ہے شعلوں کا خیمۂ دل پر
وہ اپنے خون سے نخل و شجر سجاتا ہے



یُوں زمانے کتنے ہوئے کہ ہے تیرا چاند چہرہ حجاب میں
تجھے کیا خبر تیری چاہ میں، میں ہوں کب سے دشتِ سراب میں

یہ تو اپنی اپنی ہیں قسمتیں مجھے کیا ملا؟ تجھے کیا ملا؟
میں ہوں سوکھا پھول کتاب میں، ترا عکس تازہ گلاب میں

تیرے دیکھنے کی ہی بات تھی کہ میں دل سے جاں سے گزر گیا
کوئی شعلہ، کوئی دھواں نہیں، لگی ایسی آگ شباب میں

تیرا ہجر جب سے نصیب ہے وہ بہار رُت نہ پلٹ سکی
جو نہال کرتی تھی جسم و جاں وہ بدل گئی ہے عذاب میں

کبھی تم ملے تو نہ بات کی جو نظر ملی تو جھکا چلے
میرے دل کی دل میں ہی رہ گئی، میں کہوں تو کیا کسی باب میں

تیرا درد دل میں لیئے ہوئے میں اسی طرح سے ہوں آج بھی
تیرے کس طرح سے گزرتے ہیں مہہ وسال دورِ شباب میں؟



وہ جو جان و دل میں ہے جلوہ گر، اُسے صورتِ نو بہار دے
وہ نہیں تو اس کا یہ غم سہی، مجھے اُس کے غم سے نکھار دے

میرے عشق کی ہیں کہاں حدیں، میرے شوق کی کہاں سرحدیں
میری یہ طلب تو ہے جاوداں، تو نصیب چاہے غبار دے

ہو یقین کوئی کہ وہم ہو، یہ وجود خانہ خراب ہے
مجھے چاہے اپنا پتہ نہ دے، مجھے اُس کے دل کا حصار دے

میری آرزوئیں کہ لُٹ گئیں فقط ایک خواب کی لاج رکھ!
مجھے گلستاں تُو نہ دے سہی مجھے زخمِ دل بے شمار دے

یہ دعا تو آج قبول ہو جو رہیں بھی دُوریاں بیچ میں
کوئی واسطہ رہے اِس طرح، اُسے پھول دے، مجھے خار دے

میں ادھوری جان لئے پھروں، نہ میں جی سکوں نہ میں مر سکوں
یہ ادھورا پن تو عذاب ہے، میرے دل کو صبر و قرار دے

اُسے مُسکراتا میں دیکھ لوں چاہے زندگی سے تو اے قضا
کئی ماہ لے کئی سال لے مجھے ایک لمحہ اُدھار دے

وہ ہے میرے عشق سے بے خبر، ہے مگر مدارِ سخنوری
کوئی اُس کو میری خبر تو دے، میری حسرتوں کا شمار دے

ہمارے خواب میں یہ رنگ و بُو بھی شامل ہے
گلاب، گیت، دھنک اور تُو بھی شامل ہے

ہمیں گوارا ہے پُر پیچ زندگی کا سفر
ہمارے ساتھ سفر میں جو تُو بھی شامل ہے

محبتوں کا یہ گلشن حسین کیسے نہ ہو
مہک تمہاری تو میرا لہو بھی شامل ہے

ہمارے شعروں کا مضموں ہے مرثیہ دل کا
صدا و لفظ میں دل کا لہو بھی شامل ہے

وفا کی راہوں میں ساغرؔ نکل پڑے ہو مگر
یہ دیکھ زادِ سفر میں لہو بھی شامل ہے؟



گُم ہُوا آپ میں کچھ ایسے بھی حیرانی میں
جس طرح چھونے سے تصویر کہیں پانی میں

شہر اک دیکھا ہے ہر دشت کی ویرانی میں
جب نظر جاگی ہے اِس حال کے زندانی میں

حائلِ جذبۂ دل ہیں تیرے درباں ورنہ
کتنے بیتاب ہیں سجدے میری پیشانی میں

کیسے کردے گی نہ ہر چیز کی ہستی قائل
اک صدا کُن کی ہے ہر لمحۂ امکانی میں

زندگی پیار سے صد رنگ دھنک ہوتی ہے
کام دانائی کا ہوتا ہے یہ نادانی میں

اُمڈے آتے ہوئے سیلاب کا کیا غم ساغؔر
ڈوبتا جاتا ہوں جب اپنی ہی طُغیانی میں



دردِ دل دیتا ہے وہ زخمِ جگر دیتا ہے
پھر مجھے شعر سُنانے کا ہنر دیتا ہے

سنگ باری کا اندیشہ ہو کسی پر جس سے
وہ اُسی شخص کو اک کانچ کا گھر دیتا ہے

عُمر تھی پھول ، قلم اور کتابوں والی
وقت ہاتھوں میں مگر تیر و تبر دیتا ہے

پھر کسی شیر نے دی جان مگر آن نہ دی
روز اخبار کوئی ایسی خبر دیتا ہے

ظلمتوں سے جو لڑا کرتے ہیں اس دنیا میں
آسماں اُن کو ہی انوارِ سحر دیتا ہے



حقیقت کا فسانہ ہوگیا ہے
ذرا سا اک بہانہ ہوگیا ہے

ہر اک دن اب یہ آنکھیں بھیگتیں ہیں
ہنسے کھیلے زمانہ ہوگیا ہے

دل و جاں میں وہی ہے اور اُس کا
ہر اک شئے میں ٹھکانہ ہوگیا ہے

یہ رشتے کوئی کپڑے تو نہیں ہیں
بدل دیں جو پُرانا ہوگیا ہے

ہم اپنی چھوٹی دنیا میں اِدھر گم
اُدھر دشمن زمانہ ہوگیا ہے



آج کہتے ہو ہمیں جانِ جگر جانتے ہیں
کل بدل دو گے یہ اندازِ نظر جانتے ہیں

گھر سے جاتے ہوئے حسرت کی نظر سے دیکھا
سانحوں سے ہے بھرا پیش سفر جانتے ہیں

سچ کی تکذیب سے اکرام بہت ملتا ہے
اس زمانے کے سبھی اہلِ نظر جانتے ہیں

اپنی چادر سے نہیں کرتے ہیں کھینچا تانی
پاؤں پھیلائیں تو کھل جائے گا سر جانتے ہیں

راہِ الفت میں ابھی اور زیاں ہونا ہے
دل کے خاشاک میں ہے رقصِ شرر جانتے ہیں

رات بھر پھر بھی جلائیں گے منڈیروں پر چراغ
شب کے رہتی ہے تعاقب میں سحر جانتے ہیں

ہم سخن ور ہیں فنِ شعر لہو سے سینچا
راس آئے گا نہیں پھر بھی ہنر جانتے ہیں

آشیاں ہم نے بنایا ہی نہیں اس ڈر سے
برق پھونکے گی وہی ایک شجر جانتے ہیں

لوگ لوٹے ہیں سفر چاند کا کر کے ساغرؔ
اُس کے دل کی بھی کوئی راہ گزر جانتے ہیں






ہم زندگی میں غم کی تفسیر ہو رہے ہیں
خونین خواب کی اک تعبیر ہو رہے ہیں

ہر آرزو کا سورج تاریک ہو رہا ہے
تقدیر یہ کہ وقفِ تدبیر ہو رہے ہیں

بس آبلے لیئے ہی دشتِ جنوں سے لوٹے
رُسوائے رہرواں کی تصویر ہو رہے ہیں

اِس پل مٹے کہ اُس پل لہروں پہ منحصر ہے
ساحل کی ریت پر ہم تحریر ہو رہے ہیں

ہر سانس پر لگے ہیں ساغرؔ یہاں پہ پہرے
مشقِ ستم ہے جاری نخچیر ہو رہے ہیں



اپنا دل ہے یہ ہم زباں تنہا
ہم ہی مارے گئے یہاں تنہا

آشنائی کے اس سمندر میں
دل کی ڈوبی ہیں کشتیاں تنہا

میں اُجالے میں بھی اکیلا ہوں
میں اندھیروں کے درمیاں تنہا

ایسی بے چہرگی مقدّر ہے
بے نشانی ہوئی نشاں تنہا

پیشِ منظر کا ہے پسِ منظر
شام ہوتے ہی خونچکاں، تنہا

کاہشِ جاں سے آج فرصت ہے
چشمِ و دل ہیں یہ خوں فشاں تنہا

یہ زمیں سخت، آسماں بھی ہے دور
دل بھی اُس پر ہے الاماں تنہا

ان کے جھگڑے میں مات کھاؤں میں
دل بھی تنہا ہے اور جاں تنہا

خالی محفل ہے اٹھ گئے مہماں
رہ گیا دل یہ میزباں تنہا

یاد کی رہگزر میں نقشِ قدم
چھوڑ جائیں گے مہرباں تنہا

تشنہ لب دونوں ساغر و مینا
میکدے میں رہے یہاں تنہا



اُن سے جب سے نظر کا تصادم ہوا، دل میں الفت کی شمع سی جلنے لگی
خواب آنکھوں کے سارے طلسمی ہوئے، نکہتِ گل سی ہر سو مچلنے لگی

دل کا عالم تھا پہلے بہت ہی حزیں، اس تبسم کی گنجائشیں تو نہ تھیں
ان کے جلوؤں نے دی ہے نئی زندگی، مسکراہٹ کی اب بات چلنے لگی

نیچی نظریں کئے، سر جھکائے ہوئے، کب سے ہیں میرے دل میں سمائے ہوئے
سُرمئی ان کی نظروں کی تحریر ہے، میری تقدیر ان سے بدلنے لگی

جان و دل میں وہ تحلیل ہیں اس طرح، لفظ جیسے صدا اور معنیٰ لیئے
اُن کی رعنائیاں، اُن کی ہر دلکشی میرے اشعار میں اب کے ڈھلنے لگی

اُن کی خاموشیاں، خود فراموشیاں، سو طرح آرزوؤں کو آزار ہیں
بے رُخی کے اندھیروں میں حسرت مری، جلتے بجھتے چراغوں میں جلنے لگی

بات بڑھتی نہیں ہونٹ کھلتے نہیں، زور دل پر بھی کوئی تو چلتا نہیں
کوئی ساغر بتائے کہ میں کیا کروں، جان میری محبت میں جلنے لگی



نہ اُس نے بات کی ایسی نہ کچھ سوال کیا
کہے بغیر ہی ظاہر مگر ملال کیا

مری زوال کی دنیا کو لازوال کیا
مرے نصیب نے اب کے بڑا کمال کیا

صدا و لفظ میں قائم سدا سے رشتہ ہے
یہ اجنبی سے ہوئے کس نے یہ سوال کیا

عجیب طرح کی بے چہرگی ہوئی حائل
جو اپنے آپ سے رشتہ کبھی بحال کیا

نوشتِ غیب پہ کب کوئی اعتبار مجھے
ہزار بار اِسی نے تو پائمال کیا!

ذرا ذرا سی خلش ہے سبب جُدائی کا
بس اتنی بات ہوئی میں نے عرضِ حال کیا



زلف کی شام کا، چہرے کی سحر کا جادو
کتنا بیتاب کرے پہلی نظر کا جادو

کوئی خوشبو ہے جو آوارہ کیۓ رکھتی ہے
سب سے یُوں دور کرے دشتِ ہنر کا جادو

لفظ خود میں یہ کہاں کوئی ہنر رکھتے ہیں
دلکشی ان میں بھرے زخمِ جگر کا جادو

بس اِسی فکر میں ہر رات کٹی آنکھوں میں
سوتے جاگے نہ کہیں پچھلے پہر کا جادو

میری سرگرمِ سفر صبح ہوئی ، شام ہوئی
پابہ زنجیر کرے راہ گزر کا جادو

دل کی دہلیز سے لوٹا ہے کوئی الٹے قدم
جانے کیوں ماند پڑا عزمِ سفر کا جادو



مدّتوں بعد بھی مل کے یوں جُدا ہو جانا
کاش ہوتا نہ یہ راحت کا سِوا ہو جانا

لوگ کہتے ہیں جسے رنگِ شفق کی لالی
تیرے عارض پہ ہے وہ رنگِ حیا ہو جانا

ہر نئے غم سے میں ہنس ہنس کے ملالوں نظریں
آنکھ میں خواب سا تحلیل ذرا ہو جانا

تم جو کترا کے چلو گے تو خطا کیا تیری
ہر تقرّب کا مقدّر ہے جُدا ہو جانا

سنگریزے کا حقیقت میں ہے بننا گوہر
سُرمئی آنکھ کے کاجل کا لکھا ہو جانا

گُل کیا کرتی ہیں جو آج صداقت کے چراغ
ان ہواؤں کو تو اک دن ہے ہَوا ہو جانا

شعر و نغمات کی پوچھو نہ صداقت مجھ سے
رنج کا جامہ بدلنا ہے صدا ہو جانا

حسن تو خیر بدلتا ہی رہا ہے انداز
عشق بس نام ہے ہر طور فدا ہو جانا

جسم کے زخم تو پا جائیں کسی وقت علاج
زخمِ دل کو ہے ہر اک وقت ہرا ہو جانا

میرے آگے تو بدلتے ہیں وفا کے معنی
کاش دیکھوں تیرے وعدے کا وفا ہو جانا

جان و دل سے بھی گزر جاؤں میں ہنس کے ساغؔر
مجھ سے دیکھا نہیں جاتا ہے جُدا ہو جانا



وہ نیم باز نظر کو جھکائے بیٹھے ہیں
محبتوں کی صدائیں دبائے بیٹھے ہیں

دلوں کے راز اُگلتی ہے بے قرار نظر
اُسی نظر پہ وہ پہرے بٹھائے بیٹھے ہیں

نہیں ، یہ بات نہیں، وہ خفا نہیں مجھ سے
جو دل کی بات ہے دل میں چھپائے بیٹھے ہیں

کشاکشوں کا ہے عالم ترس رہی ہے حیات
وہ درمیان فصیلیں اٹھائے بیٹھے ہیں

جھلک رہی ہے محبت ہر ایک پردے سے!
اگرچہ لاکھ وہ پردے گرائے بیٹھے ہیں

یہ بے قرار تمنا، یہ دل فریب جھجک
کوئی تو بات ہے کچھ تو چھپائے بیٹھے ہیں

نہ جانے میرے مقدّر کو مجھ سے کیا ضد ہے؟
وہ جب بھی آئے تو پہلو بچائے بیٹھے ہیں

یہ آرزو ہے کہ ساغرؔ نصیب میں ہوں مرے
جو مدّتوں سے نظر میں سمائے بیٹھے ہیں



کبھی وہ شام سرِ بام انتظار کرے
کبھی وہ صبح نظر کو جھکائے پیار کرے

کبھی سجائے تبسّم کی ادھ کھِلی کلیاں
سیئے لبوں کو کبھی دل کو سوگوار کرے

وصال وہجر کے موسم پروئے شعروں میں
ہر ایک رُت کو غزل کیوں نہ خوشگوار کرے

بہار آئے گلستاں کھِلے، کھِلے نہ کھِلے
تمہاری یاد سماں موسمِ بہار کرے

کسی کی آنچ کی خوشبو گھلی ہو سانسوں میں
تو پھر ہواؤں کو مٹھّی میں شہسوار کرے

کسی کی ہجر کا ساغؔر ستاتا غم ہو اگر
تمام وقت تصوّر حضورِ یار کرے



عروج پر یہ مرے بخت کا ستارہ ہے

جو آرزو میں بسا تھا وہ اب ہمارا ہے

محبتوں کی یہ روشن طلسمی دنیا ہے

دل و نظر میں ترے پیار کا شرارہ ہے

سیاہ رات کا منظر بدل ہی جائے گا

ترے حسین تبسّم سے آشکارہ ہے

ہم اپنی دنیا میں خوش ہیں محبتوں کے طفیل

بس اتنا کافی ہے ہم کو جو تُو ہمارا ہے

اُسی سے مہرِ درخشاں ہے کائنات اپنی

جو تیری سرمئی آنکھوں میں اک ستارہ ہے

کبھی تو جیت بھی ہوتی ہے ہار جانے میں

اُسی کی جیت ہے جس نے دل اپنا ہارا ہے



بہار رُت میں جو ذرّہ دکھائی دیتا ہے
خزاں کے آتے ہی صحرا دکھائی دیتا ہے

نہ جانے کیسی تمنّا اُداس رکھتی ہے
ہر ایک شام وہ تنہا دکھائی دیتا ہے

کہیں یہ موم کے پر بھی اُڑان بھرتے ہیں
وہ قطرہ قطرہ پگھلتا دکھائی دیتا ہے

ہر ایک جیسے ہے دشمن ہر ایک کی جاں کا
ہر ایک شخص یوں سہما دکھائی دیتا ہے

لپکتے شعلے تبسّم بھُلا نہ پائے ہیں
نظر جب آئے تو ہنستا دکھائی دیتا ہے

وہی تمنّا ہے ساغرؔ وہی ہے میری مُراد
وہی ہے آگ کا دریا دکھائی دیتا ہے



میں دل کہوں کہ دل کی تمنّا کہوں تجھے
یا پھول اک گلاب کا کھِلتا کہوں تجھے

جلوؤں سے تیرے شہرِ تمنّا ہے ضوفشاں
چاہوں جہانِ دل کا اُجالا کہوں تجھے

لہجہ گلاب تیرا تبسّم ہے جاں فزا
دل چاہتا ہے دل کا مسیحا کہوں تجھے

سمجھوں میں اپنے دل کے چمن کی تجھے کلی
باغِ ارم کی نرگسِ شہلا کہوں تجھے

لکھوں تجھے میں دل کی صداؤں کی نغمگی
تجھ کو غزل کہوں کہ غزالہ کہوں تجھے

خامہ بدست سوچتا ساغؔر ہے دیر سے
تشبیہہ کس سے دوں میں تجھے کیا کہوں تجھے






پیار میں حالِ دل کیا رقم کیجئے، چپکے چپکے سے کاغذ کو نم کیجئے
جان ہی کیوں نہ جائے یہ وعدے کی شب، ان کی مرضی سر اپنا خم کیجئے

کوئی شکوہ نہیں کچھ شکایت نہیں، راہِ الفت میں اس کی اجازت نہیں
دل پہ پتھّر کی سِل کوئی رکھ دیجئے، اور جذبات کا سر قلم کیجئے

جب ہو محسوس برتاؤ میں برہمی، جب بھی ظاہر ہو انداز میں بے رُخی
دل میں محشر کا عالم تو ہوگا مگر، لازمی ہے نہ اظہارِ غم کیجئے

ان کی راہوں میں ہوتے ہیں شیدائی، روز نظروں میں ہوتی ہے دنیا نئی
پھر کبھی ایسا موقع ملے نہ ملے، خوب دیدارِ روئے صنم کیجئے

ہم نے دیکھے ہیں الفت کے بجھتے دیئے، زخم دل کے ہزاروں ہی ہم نے سیئے
راہِ الفت میں جب دل گیا، جاں گئی، کس لئے اب کسی شئے کا غم کیجئے

دل کا کشکول بھر پیار کی بھیک سے، جس قدر مل سکے جیسے بھی ٹھیک ہے
پھر وہ بدلیں گے ساغر نگاہِ کرم، پھر کہاں التجائے کرم کیجئے



صُبح تو نور سا چہرے پہ بکھر جاتا ہے
کیوں سرِ شام یہ چہرہ بھی اُتر جاتا ہے

ہم ہوئے جاتے ہیں ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح
وقت دریا ہے ہمیشہ ہی گزر جاتا ہے

کل جو کہتا تھا کہ آنکھوں میں بسے جاتے ہو
آج وہ شخص نظر پھیرے گزر جاتا ہے

درد خاموشی کے دھاگے میں پرویا میں نے
لب کشائی سے یہ شیرازہ بکھر جاتا ہے

شب کی ٹہنی پہ کوئی چاند کھلانے کے لئے
دن کا خنجر میرے سینے میں اُتر جاتا ہے

ہر کوئی شخص نظر آئے شباہت اُس کی
دل کے آئینے میں جو شخص ٹھہر جاتا ہے

میری ہر بات پہ آئینہ دکھا کے مجھ کو
وہ بھلا شخص خدا جانے کدھر جاتا ہے

دل میں بس جاتی ہیں کڑوی سی وہ سچّی باتیں
وہ مرے جھوٹ کے پر سارے کتر جاتا ہے



دل کا یہ درد بھی نغمات میں ڈھل جائے گا
دو قدم چل کے مجھے جب بھی وہ چھل جائے گا

دو گھڑی کی یہ خوشی آج غنیمت ہے کہ کل
تم بدل جاؤ گے، عالم یہ بدل جائے گا

تم بھی سمجھو گے محبت کا یہ جادو کیا ہے
جب ترے دل پہ یہ جادو کہیں چل جائے گا

پیار کا گیت سدا دل میں ہے دھڑکن کی طرح
سُر بدل جائے گا، یہ ساز بدل جائے گا

آتشِ دل کو مری کب سے ہوا دیتا ہے
آسماں آگ سے اک روز یہ جل جائے گا

بے وفائی کا گلہ کب وہ کرے گا ساغؔر
سر جھکائے گا کہیں دور نکل جائے گا



انمول کھلونا بچّوں کا
مٹّی بھی ہے سونا بچّوں کا

کل رات کی کالی آندھی نے
توڑا ہے کھلونا بچّوں کا

مجھ سے تو نہ دیکھا جاتا ہے
یوں پلکیں بھگونا بچّوں کا

معصوم سے لفظوں کو چُن کر
اُف! کانٹے چبھونا بچّوں کا

ہر گز نہ خریدا جائے گا
آرام سے سونا بچّوں کا

تقدیر کی کیسی حرکت ہے
افلاس میں ہونا بچّوں کا




پتّھر کی لکیروں سے پختہ
یادوں کا پرونا بچّوں کا

ہو کوئی سکندر افلاطوں
ہر ایک کھلونا بچّوں کا

ہر شام کہانی پریوں کی
ہے سپنا سلونا بچّوں کا

بچے ہیں جہاں کے شہزادے
افلاک بچھونا بچّوں کا

سونا بھی ہے مٹی بچّوں کی
مٹّی بھی ہے سونا بچّوں کا

کشمیر میں رہنے کو لازم
پل بڑھ کے ہے کھونا بچّوں کا

اب رنگ دکھائے گا ساغرؔ
مٹّی میں یہ بونا بچّوں کا



ہمارے دل میں بھی کیا کیا نہیں ہے
مگر ایسا کبھی ہوتا نہیں ہے

خدا جانے وہ وعدے کیا ہوئے ہیں
کبھی اُن سے یہ بھی پوچھا نہیں ہے

ہماری زندگی کے اس سفر میں
کوئی خوشبو، کوئی نغمہ نہیں ہے

اب اُن سے اپنا رشتہ کیا بتائیں
زمانے بھر کا ہے میرا نہیں ہے

الگ ہو جائے جو اپنی فضا سے
شجر وہ پھولتا پھلتا نہیں ہے

نہ جانے کیا ہوا ہے شام ہوتے
مرا ساتھی مرا سایہ نہیں ہے

بدل سب کچھ گیا ہے کچھ دنوں میں
وہی کھڑکی ہے وہ چہرہ نہیں ہے

گلاب اب سانپ بن کر ڈس رہے ہیں
نظر میں اب کوئی کانٹا نہیں ہے

مجھے پتّھر وہ ساؔغر کہہ رہے ہیں
مرے دل کو کبھی دیکھا نہیں ہے



تنہائی کا درد بھی ہوتا ہے زلفوں کی مہک بھی ہوتی ہے
جب وصل کا یہ دن ڈھلتا ہے صد رنگ دھنک بھی ہوتی ہے

وہ عکسِ تمنّا، رنگِ سحر جس روز تصوّر پر چھائے
فرقت کے اندھیرے جاتے ہیں یادوں کی کسک بھی ہوتی ہے

الفت کے سہانے موسم میں لمحوں کے سرکتے جھونکوں میں
اِس بادِ صبا کی ٹھنڈک میں شعلوں کی لپک بھی ہوتی ہے

جب کوئی مہکتی بات کبھی بے تاب ہو لب پر آنے کو
بے چین سے ان لمحوں میں کہیں تھوڑی سی جھجک بھی ہوتی ہے

الفت ہو کہ نفرت ہو کچھ ہو سوغات کوئی دے جاتی ہے
جس حال میں دو دل ٹکرائیں لازم ہے کھنک بھی ہوتی ہے

جس وقت ترستی آنکھوں کو محبوب دکھائی دے ساغرؔ
برسوں کی مسرّت سے بڑھ کر وہ ایک جھلک بھی ہوتی ہے



میں نے سوچا تھا کہ دے گا وہ اُجالے، منظر
کر دیئے اُس نے اندھیروں سے یہ کالے منظر

کام بادل کا فقط سبزہ اُگانا ہی نہیں
جم کے برسے تو سبھی ساتھ بہالے منظر

ایک پل جلوہ دکھایا ہے رلایا برسوں
آمری آنکھ میں اب کے تو سمالے منظر

زندگی نام کو ہے، بس خواب ہوئی جاتی ہے
تیز رفتار ہوا سے تُو چُرالے منظر

بس کہ دل کے ہی اشارے پہ اٹھا رکھا ہے
بج اٹھے بربطِ دل پھر سے تو، گالے منظر

آج ہے ایک مسیحا کی تمنّا ساغرؔ
ظلمتِ شب سے نکل کر جو سنبھالے منظر



گلابی رنگ کا موسم گزرنے والا ہے
مری تو آنکھوں میں منظر بکھرنے والا ہے

مری خزاں بھی نہ جانے بہار ہے کس کی؟
نہ جانے کس کا مقدّر سنورنے والا ہے

جو بھر رہا ہے تری بے نیاز آنکھوں میں
وہ زہر جان میں میری اُترنے والا ہے

ہزار خواب دیئے آرزو ، تمنّا دی
ہر ایک چیز سے اب وہ مُکرنے والا ہے

وہ آئینے کا یہ پیکر لیئے سنگستان میں
ٹھہر بھی جائے تو کب تک ٹھہرنے والا ہے

اڑان کیسے میں ساغؔر یہاں پہ بھرلوں گا
مرے پروں کو ستم گر کترنے والا ہے



اب نئے رنگ میں تصادم ہے
خون کی پیاس ہے، تبسّم ہے

کھو گیا ہے یقیں کہاں جانے
باقیاتِ سفر توہّم ہے

خوش دلی کے ہزار نغمے ہیں
رنگ ہے، روپ ہے، ترنّم ہے

ایک صحرا مرا مقدّر ہے
ایک دل ہے کہ بس تلاطم ہے

زندگی دی، وفا، محبت دی
اب کہ نعم البدل تظلّم ہے

بے طلب ہی رہا کہ دنیا میں!
ہاتھ پہنچا جہاں تظلّم ہے

جُز خدا اعتبار کس کا ہے؟
ہر پہر درمیاں تصادم ہے



تُو ہی ایک دلنشیں ہے، تُو ہی میرے روبرو ہے
اے نگارِ آتشیں رُخ، مجھے تجھ سے گفتگو ہے

تیری چشمِ سرگیں ہے، میری آرزو کی جنت
میں تری نظر کا مارا، مجھے تیری آرزو ہے

تُو کمال ہے سراپا، میں زوال کا ہوں مارا
مگر اعتبارِ اُلفت، مجھے تیری جستجو ہے

میرے اشک پونچھ لوتم ، مجھے پھر سے حوصلہ دو
میرے دل پہ ہاتھ رکھ دو، میرا دل لہو لہو ہے

تُو ہے میرے جسم و جاں میں، تُو یقین اور گماں میں
تیرے دل کی تُو ہی جانے، میرے دل میں تُو ہی تُو ہے




بڑی مدتیں ہوئیں ہیں ، کوئی نغمۂ محبت
مری روح میں بسا تھا، وہی آج روبرو ہے

درِ ناز پر تمہارے، میں نیاز کیش ساغؔر
کہ مری محبتوں کی، تیرے ہاتھ آبرو ہے



دونوں جہاں سے بالکل بے گانہ ہو رہا ہوں
افسانہ لکھ رہا ہوں، افسانہ ہو رہا ہوں

ہر صبح کو لیئے اک اُمّید آنکھ کھولوں
ہر شام ایک خالی پیمانہ ہو رہا ہوں

ہر ایک غم ہوا ہے مہمان میرے دل کا
سارے جہاں کے غم کا کاشانہ ہو رہا ہوں

اپنے لیئے رہا ہوں صحرا وجود ہو کر
سارے جہاں کی خاطر میخانہ ہو رہا ہوں

انجام دیکھتا ہوں رُسوا ہے الفتوں کا
شعلے لپک رہے ہیں پروانہ ہو رہا ہوں

اپنی تباہیوں پر خوشیاں مناؤں ساغؔر
چڑھ کر صلیب پر بھی مستانہ ہو رہا ہوں



خدا کا نام جو نوکِ زباں پہ رکھتا ہے
تو کیوں بھروسہ وہ سود و زیاں پہ رکھتا ہے

وہ یارِ جانی ہے لیکن کبھی کبھی مجھ کو
یہاں نشانۂ تیروکماں پہ رکھتا ہے

بڑا عجیب ہے روشن چراغ پایا تو
ہوا کی زد میں وہ طاقِ زیاں پہ رکھتا ہے

عذابِ جاں میں شراکت کبھی نہیں کرتا
جو اختیار بہت میری جاں پہ رکھتا ہے

فسانہ اُس نے الگ مجھ سے کر لیا لیکن
اساس اب بھی مری داستاں پہ رکھتا ہے

وہ جس کو ذات نے اپنی بھی دے دیا ہو فریب
بھروسہ کیسے وہ سارے جہاں پہ رکھتا ہے

یہ سخت جانی بھی دیکھو سلیم ساغؔر کی
کہ نقدِ جاں بھی غمِ جاوداں پہ رکھتا ہے





چاند رنجور سا دن بھر کی تھکن سے جاگے
جیسے بِرہن کوئی چاہت کی اگن سے جاگے

لے چلے دشت میں، صحراؤں میں اُفتاں خیزاں
کوئی خوشبو سی سدا زخمِ کُہن سے جاگے

تم نے تدبیر سے اک شخص سُلایا لیکن
کتنے منصور اُسی دارورسن سے جاگے

پھول سے لفظ نہ جانے کہاں خوابیدہ تھے
دل گلستان ہوا رنج و چُبھن سے جاگے

اتنے سورج جو اُگیں گے تو کہاں چین نصیب
بس کہ تاریکی ہی دھرتی سے، گگن سے جاگے

اپنا اظہار سمندر سے کیا کرتا تھا!
تشنہ صحرا ہی فقط عکسِ بدن سے جاگے

رات کی بات پُرانی تو ہوئی تھی لیکن
خواب سوئے ہوئے چادر کی شکن سے جاگے

سازشِ غیر پہ بارُود تو برسایا ہے
اور جو فتنے ترے دل کے چمن سے جاگے؟

اُس کی ہر بات سے جاگے ہے تمنّا ساغرؔ
سادگی، حُسن وشرافت سے، نَین سے جاگے



پیار خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا
تیری پہچان بنے گا تُو جدھر جائے گا

سب سے بچ کے تو زمانے میں گزر جائے گا
خود سے بھی بچ کے بتاؤ تو کدھر جائے گا

کب سے اُلجھی ہے طلاطم میں یہ کشتی لیکن
مجھ کو اُمّید ہے طوفان ٹھہر جائے گا

ٹھوکریں کھا کے ہزاروں بھی سنبھل جائے کوئی
کیا کرے گا وہ نگاہوں سے جو گر جائے گا

جستجو کر کے ہر اک شخص ضروری ہے کیا؟
راہِ امکاں سے وہ گُل لے کے نکھر جائے گا



نظر میں کوئی تو تازہ گلاب رکھ دیتے
حیات کرنے کو کوئی تو خواب رکھ دیتے

تمام عمر کا کیف و سرور پا جاتے
ایاغِ چشم سے پیتے، شراب رکھ دیتے

کوئی نہ ہوتی کہانی نہ کوئی افسانہ
تمام لوگ جو چہرہ کتاب رکھ دیتے

تم اس کو چاند جو کہتے ہو ٹھیک ہے لیکن
وہ تیرے آگے اگر آفتاب رکھ دیتے!

ہمیں تو خود میں یہ آنکھیں ڈبو چلی ہوتیں
جھکا جھکا کے نہ عالی جناب رکھ دیتے

مری قضا نے ہی روکا و گرنہ ممکن تھا
وہ میرے حصّے میں سارے عذاب رکھ دیتے



مری تمنّاؤں کا سویرا ہی میری ہستی مٹا رہا ہے
جو خونِ دل سے کیا ہے روشن چراغ دامن جلا رہا ہے

سُلگتے لمحوں میں چشمِ تر نے جو شبنمی خواب سا بُنا تھا
وہ آج تعبیر پا کے شعلے نئی سحر کے دکھا رہا ہے

وہ، میں نے جس کی صداقتوں کی قسم اٹھائی زمانے بھر میں
وہی ہے اب کے زمانے بھر میں مجھے فریبی بتا رہا ہے

کہاں وہ تدبیر کھوگئی ہے وہ نیم شب کی دُعا ہوئی کیا؟
تسلّیوں کا یہ ساز کب سے فریب کی دُھن سُنا رہا ہے

چلی ہوائیں وہ دشت میں اب کہ کھوگئے ہیں تمام رستے
حسین صورت ہر اک چھلاوہ طواف اپنا کرا رہا ہے

کرشمہ سازی یہی نہیں ہے ہرے جو شعلے دکھاؤ گے تم
پلٹ دو اب کے نظامِ عالم، سیاہ تر دن دکھا رہا ہے

کبھی تو ساغر دعا میں دیکھوں صدا بہ صحرا نہیں ہوئی ہو
کہ یہ زمانہ تمام جانے میرا بھی کوئی خدا رہا ہے



حدودِ وقت سے آگے نکل کے جانا ہے
یہ مشکلوں کا سفر ہے سنبھل کے جانا ہے

یہ وہم و خوف و پس و پیش الوداع کردو
ہزار بجلیاں لے کے، مچل کے جانا ہے

یہ برگ و بار کا موسم اداس بھی کردے
مگر کہ خوفِ زیاں کو کُچل کے جانا ہے

دراز دستئ فرداودوش کیا معنی؟
ہر ایک قید سے جب یوں نکل کے جانا ہے

کرے شعور کا سودا سکھائے محکومی
اب ایسا آئینِ عالم بدل کے جانا ہے



چرچا اپنی بیزاری کا دفتر رہ جائے گا
ہم منظر سے ہٹ جائیں گے خالی منظر رہ جائے گا

سب پتھّرائی نظریں لے کر روشن چہرے بجھ جائیں گے
تاریکی میں دل ڈوبے گا سب کچھ بنجر رہ جائے گا

الفت کے سارے خوابوں کا چہرہ دیکھے دہلے گا دل
یادیں دل میں رہ جائیں گی، دل میں خنجر رہ جائے گا

دل دریا تن صحرا ہوگا ایسے بھی لمحے آئیں گے
کھلتے چہرے کے پیچھے اک برپا محشر رہ جائے گا

اُمیّدوں کے سارے پنچھی چہرہ تک کرا اڑ جائیں گے!
بتُ الفت کے جب ٹوٹیں گے تنہا آزر رہ جائے گا

سایہ تیرا جلتا ہوگا سب ہولیں گے اپنے رستے
اک طوفانی بارش ہوگی تو کس کے گھر رہ جائے گا

منزل منزل وحشت ہوگی، اُوجھل سارے رستے ہونگے
دل سے دلبر رخصت ہوگا خالی پیکر رہ جائے گا

سب کو اپنا غم کھائے گا، سب غم میں ہی ڈوبے ہونگے
النفسی جب نعرہ ہوگا کس کا یاور رہ جائے گا

گونگا پن پھر چھا جائے گا آؤ دو اک باتیں کر لیں
جو کچھ بھی پھر دل میں ہوگا دل کے اندر رہ جائے گا

ظالم باطل فاتح ہوں گے سچ کی قسمت سولی ہوگی
منزل منزل خنجر لے کر خونی داور رہ جائے گا

چھینا جھپٹی سیکھو ناداں ایسے اندھے رستے چھوڑو
اپنے ہاتھوں کو ملتے ہی اک دن ساغرؔ رہ جائے گا






یہ دل غم کا ایک ٹھکانہ لگتا ہے
اِس میں کوئی روگ پُرانا لگتا ہے

کل پھر دل میں درد اٹھا تو سمجھے ہیں
زخموں کو بھرنے میں زمانہ لگتا ہے

ہر دن کوئی بات ادھوری رکھتے ہیں
ملتے رہنے کا یہ بہانہ لگتا ہے

اپنی کوئی چیز بھُلا کر چل دینا
اُس کا یہ انداز سُہانا لگتا ہے

جب بھی دل کی بات کروں وہ کہتے ہیں
تُو تو مجھ کو کوئی دِوانہ لگتا ہے

کون یہاں جذبوں کی قیمت جانے گا
پتھر دل لوگوں کا زمانہ لگتا ہے

کل تیرا منظورِ نظر بس ساغرؔ تھا
یہ کل کا سچ آج فسانہ لگتا ہے



جھگڑا تمام عمر رہا آسماں کے ساتھ
تنہا رہا ہوں ایک دلِ خونچکاں کے ساتھ

دستِ طلب دراز رہا دے چلا فریب
لطف و کرم کا راز کھلا مہرباں کے ساتھ

کس نے عجب سی پاؤں میں زنجیر ڈال دی
میں تو چلا تھا دور تلک کارواں کے ساتھ

آگے نہ بارشوں کو کبھی دُھوپ لکھ سکا
یہ دشمنی ہے آج بھی سارے جہاں کے ساتھ

دونوں کے درمیاں سے گزرتی ہے آج کل
ایمان سے نبھاہ نہ وہم وگماں کے ساتھ

بچپن سے دیکھتا ہوں میں دارورَسن کے خواب
منسوب خاک وخوں ہے مری داستاں کے ساتھ

جن سے مِلا شعور وہی بک گئے ہیں لوگ
تنہا ہوں کربلا میں ہتھیلی پہ جاں کے ساتھ

سانسوں پہ پہرہ دار ہے شمشیرِ بے نیام!
اور ہر بلائے جاں ہے اکیلی سی جاں کے ساتھ

ساغرؔ یہاں پہ ظلم وستم کا ہے اِذنِ عام
ہر ایک بدد ماغ کو اُردو زباں کے ساتھ



وہ وصل کا دن قریب تر ہو کہ روبرو جب جناب آئے
خیال کا ہو یہ چاند روشن، حقیقتوں میں وہ خواب آئے

کبھی مقدّر دکھائے وہ دن خدا کرے انقلاب آئے
دل و نظر میں لئے ہوئے وہ محبتیں بے حساب آئے

جھکی جھکی سی نظر میں اُس کی اُمڈ جو آئے حسین شوخی
جو بات اتنے برس چھپی ہے زباں پہ وہ بے حجاب آئے

قریب میرے قریب آ کر بنا کہے کچھ وہ لوٹ جانا
نئی پرانی یہ بندشیں کیا، اُسے نہ مجھ سے حجاب آئے

تمام ہو انتظار اس کا، تمام میری بھی کشمکش ہو
جو کھڑکیوں میں مہک رہا ہے ہتھیلیوں میں گلاب آئے

شعورِ الفت ہو پختہ تر یوں فراق میں وصل کا مزہ ہو
کہ اپنے دل کی ہی دھڑکنوں سے سوال کا بھی جواب آئے

وہ میرے ترکش سے تیر لے کر مرا جگر آزما رہا ہے
سُنے تھے مجھ سے جو شعر آخر وہ نام میرے جواب آئے

میں خونِ دل میں قلم ڈبو کر، مدام اُس کو دیئے چلوں گا
یہ کھیل قسمت کے ہاتھ ہے پھر مرے لئے کیا عذاب آئے



خوب مقالے لکھ لیتے ہیں لوگ یہاں شہکاروں پر
کس نے جانا کیا بیتی ہے دنیا میں فن کاروں پر

جھل مل کرتے چاند ستارے دیکھ رہے تھے تم اے یار
ہم تو دیئے کی بجھتی لَو میں لوٹ گئے انگاروں پر

آزادی کا جشن مناؤ صاحب جی خوش حال رہو
ساٹھ برس سے بوجھ بنے ہیں ہم ساری سرکاروں پر

ہم شہرِ ناشاد میں اب تک جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
جانے کیسا وقت گزرتا ہے مقتل میں یاروں پر

سُرخ شکارے ڈوب گئے ہیں اور پانی زہراب بنا
مایوسی بس تیر رہی ہے اب تو ڈل کے دھاروں پر

گاندھی کے گجرات میں اب تو مودی کی جے ہوتی ہے
پیدائش سے پہلے بچے تُلتے ہیں تلواروں پر

جان رہے یا جائے ساغرؔ ظلم سے لڑتے جائیں گے
اپنی کہانی لکھتے رہیں گے مقتل کی دیواروں پر



دلوں کے ملنے بچھڑنے کے سلسلے بھی نہیں
ہے چاک چاک گریباں وہ حوصلے بھی نہیں

جو فصلِ گل میں شبِ ہجر پھول مرجھائے
کبھی وہ پھول محبت کے پھر کھلے بھی نہیں

مزاج ملنا کسی سے تو ہے نصیب کی بات
وہ الفتوں کے مسافر بھی ہیں، ملے بھی نہیں

جو ساتھ ساتھ چلیں ہم سفر نہیں ہوتے
یہ لازمی ہے دلوں میں ہوں فاصلے بھی نہیں

رہِ وفا سے بھی ساغرؔ اُداس ہی لوٹے
تمہارے سینے کے زخموں کے گُل کھِلے بھی نہیں





محبتوں میں کوئی حادثہ بھی ہونا ہے

کہ قربتوں کو ابھی فاصلہ بھی ہونا ہے

ابھی تو آئینۂ دل میں بھی عکس دھندلے ہیں

کہ دل کو دل سے ابھی آشنا بھی ہونا ہے

قرار پائے تبسّم گلاب چہروں پر

غموں کا بعد میں اک سلسلہ بھی ہونا ہے

نظر نظر سے ملے، دل سے دل محبت میں
مگر خیال رہے کل جُدا بھی ہونا ہے

خیال جھولتے جاتے ہیں لب کی سولی پر
بروئے حسن مگر لب کشا بھی ہونا ہے

بہ سنگِ حرفِ محبت شکستہ دل ہو کر
بنامِ عشق شکارِ جفا بھی ہونا ہے

رفاقتوں کے سفر میں سلیم ساغؔر اب

سجا کے لب پہ تبسّم جدا بھی ہونا ہے



نواحِ جاں میں تری یاد آ نکلتی ہے
تری تلاش میں میری وفا نکلتی ہے

چھلک نہ جائے کہیں میرے صبر کا یہ جام
ہر اک فغاں جو میری نا رسا نکلتی ہے

سوراخ ہوتے ہیں پہلے تو اس کے سینے میں
پھر اس کے بعد ہی نَے سے نوا نکلتی ہے

مرا شمار ہے پیدائشی اسیروں میں
مرے بزرگوں کی اس میں خطا نکلتی ہے

جس ایک ماں کا اسیری میں گُم ہوا بیٹا
اب اُس کے لب سے فقط بد دعا نکلتی ہے

کہیں یہی تو نہیں انقلاب جس کو کہیں
ہر ایک چیز کہ اب کیا سے کیا نکلتی ہے




حیات کو نہ متاعِ عزیز تم رکھنا
کہ ایک دن یہ بڑی بے وفا نکلتی ہے

وفائیں کر کے مجھے انتظار ہے ساغرؔ
کہ فردِ جرم میں کیا کیا خطا نکلتی ہے



فلک سے دل کی کتاب اُترے
محبتوں کا نصاب اُترے

جو آنکھیں پتھرا گئیں ہوں ان میں
کہاں سے تازہ سا خواب اُترے

نواحِ جاں پر میں سوچتا ہوں
کیوں اتنے سارے عذاب اُترے

غرور تھا جن کو مہ رُخی کا
وہ چہرے عالی جناب اُترے

زمین پلکوں کی نم ہوئی تو
نظر نظر میں گلاب اُترے

سرشتِ آدم میں سب فلک سے
گناہ اُترے ، ثواب اُترے




نظر کا آئینہ منتظر ہے
کب اس میں عکسِ گلاب اُترے

سلیم ساغر یہ آخرِ شب
تمہارے آنگن بھی خواب اُترے



کئی دنوں سے جو جلوے اُدھر کے دیکھتے ہیں
چلو کہ آج وہ تحریر کر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے خوب ہیں واقف وہ حُسن سے اپنے
تمام شہر کو تصویر کر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے اُس کی گلی ہے گزرگہِ جنت
جو صبح و شام کو عاشق گزر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے شمس و قمر اپنی جاں لُٹاتے ہیں
کہ آئنہ جو وہ پل بھر سنور کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے حُسن کا شہرہ گیا ہے اُس کا جہاں
وہاں کے لوگ ستارے سفر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے دن کو بشر دیکھتے ہیں اُس کا جمال
تمام رات فرشتے اُتر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے عشق میں اُس کے ہر ایک دن عاشق
ہزار بار خیالوں میں مر کے دیکھتے ہیں




سُنا ہے رہتا ہے محوِ خیالِ جانانہ
کہ ایک لمحہ جسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے رہتے ہیں حیراں مصورو شاعر
کہ اپنی کاوشِ ناکام کر کے دیکھتے ہیں

وہ دیکھ سُنتے ہیں شرین گفتگو سب لوگ
تمام سازِ مغنّی بھی دھر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے اُس کی مہک سے غزال ہیں حیراں
تلاش کرتے ہیں نافہ کتر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے جنہوں نے دیکھا ہے خواب میں اُس کو
وہ نیم شب کو بھی جلوے سحر کے دیکھتے ہیں

وہ دیکھ عرقِ ندامت میں غرق ہوتے حسیں
کہ بے مثال جو جلوے اُدھر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے اُس کی تمنائے دل فریب میں سب
غمِ فراق سے یارانہ کر کے دیکھتے ہیں

محال اُس کا ہے ملنا سلیم ساغؔر تو
یہی سہی پہ تمنا تو کر کے دیکھتے ہیں

